قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۲ شمارہ: ۳

ربیع الاول: ۱۴۴۰ھ - دسمبر: ۲۰۱۸ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ

انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا

وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس طابع: فیروز زکی

فہرست مضامین

بصائر وعبر

محافظِ اسلام و پاکستان کی شہادت	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
فیصلہ آپ کریں!!	۱۳	″ ″ ″

مقالات ومضامین

نبی کریم ﷺ کے فرائضِ منصبی!	۱۹	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام ...علامہ بنوریؒ (قسط:۱۸)	۲۳	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
رحمۃٌ للعالمین ﷺ کی سیرت....رب العالمین کی زبانی	۲۸	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
محبتِ رسول ﷺ!	۳۵	جناب محمد ظفر اقبال
نجات کا ذریعہ....نبی کریم ﷺ کی تین نصائح	۴۱	مفتی غلام مصطفیٰ رفیق
طائف کا مظلوم مبلغ (ﷺ)	۵۰	مولانا محمد غیاث الدین حسامی

دار الافتاء

جڑی بوٹیوں اور قدرتی معدنیات کا حکم!	۵۵	ادارہ

نقد ونظر

	۶۱	ادارہ

محافظِ اسلام و پاکستان کی شہادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

دارالعلوم دیوبند کے سابق اُستاذ و دارالعلوم حقانیہ اَکوڑہ خٹک کے بانی حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کے تلمیذ ومسترشد، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم واُستاذِ حدیث، جمعیت علمائے اسلام (س) کے امیر، سابق رکن قومی اسمبلی وسینیٹ، ہزاروں فضلائے حقانیہ ومجاہدینِ افغانستان کے محبوب استاذ، مربی وسرپرست، مولانا حامد الحق ومولانا راشد الحق سلمہما کے والد گرامی حضرت مولانا سمیع الحق کو ۲۳ر صفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲ر نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بعد نمازِ عصر اُن کے گھر واقع بحریہ ٹاؤن اسکیم راولپنڈی میں سفاک ودرندہ صفت قاتلوں نے خنجر اور چھری جیسے آلۂ جارحہ کو استعمال کرتے ہوئے بے دردی سے ذبح اور شہید کردیا، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

آپ کی شہادت کا عین وہی دن ہے جب سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ سے سزائے موت پانے والی آسیہ ملعونہ کی سپریم کورٹ سے بریت پر پوری پاکستانی قوم سراپائے احتجاج بنی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی شہادت سے ایک دن پہلے ایک احتجاجی مظاہرہ میں شریک ہوئے اور وہاں خطاب اور اس فیصلے پر اپنے غم وغصہ کا اظہار بھی فرمایا تھا۔ شہادت کے دن بھی آپ ایک احتجاجی مظاہرہ میں شرکت کے لیے گھر سے روانہ ہوئے، لیکن راستے بند ہونے کی وجہ سے آپ واپس اپنے گھر

تشریف لے آئے۔ آپ کے خادم اور ڈرائیور قریب ہی سودا سلف لانے کے لیے گئے ہوئے تھے، واپس آئے تو دیکھا کہ حضرتؒ خون میں لت پت ہیں، ہسپتال لے جایا گیا، لیکن آپ کی روحِ مبارک پہلے ہی قفسِ عنصری سے محوِ پرواز ہوچکی تھی۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی ظالم ۸۳ سالہ بوڑھے، بیمار اور بزرگ ہستی پر اس وحشت ناک اور دردناک انداز میں ہاتھ اُٹھا سکتا ہے۔ حضرت موصوف کی شہادت سے ایک بار پھر مظلومِ مدینہ، دامادِ رسول، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دُہرایا گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! جس طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اس دنیا میں دیدۂ عبرت بنے اور ذلت کی موت مرے، اسی طرح حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قاتلین بھی اس دنیا میں نمونۂ عبرت اور ذلت کی موت مریں گے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی تعلیم وتعلُّم، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، قومی، ملی، سیاسی خدمات کے علاوہ اعلائے کلمۃ اللہ اور پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے قادیانیت سمیت تمام فرقِ باطلہ اور اُمتِ مسلمہ کے خلاف عالمی استعمار کی دہشت گردی کے تعاقب میں گزری۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے آپ کی تڑپ، پارلیمنٹ کے اندر اور باہر آپ کی تاریخ ساز جدوجہد، افغان جہاد کی سرپرستی‘ آپ کی حیات کے ایسے لازوال کارنامے ہیں، جو موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ راہ بن کر مہمیز کا کام دیں گے، ان شاء اللہ!۔

الغرض موصوف ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور فکرونظر کے بہت سے فضائل وخصائص سے نوازا تھا۔

آپ کی پیدائش ۱۲؍رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۳؍ستمبر ۱۹۳۶ء کو اکوڑہ خٹک میں ایک علمی خانوادہ میں ہوئی۔ آپ کے شجرۂ نسب میں تقریباً علماء اور دین دار افراد ہی گزرے ہیں۔ آپ کی پانچویں پشت کے حضرت مولانا عبدالرحیم اپنے خاندان کے ہمراہ ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۱ء میں تبلیغِ دین کی غرض سے اکوڑہ خٹک میں آکر آباد ہوئے۔

آپؒ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہٗ سے حاصل کی۔ انجمن تعلیم القرآن اسلامیہ پرائمری اسکول میں پرائمری تک تعلیم مکمل کی۔ پھر درسِ نظامی کی مکمل تعلیم دارالعلوم حقانیہ ہی میں رہ کر حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد کے علاوہ مولانا رسول خان ہزارویؒ اور شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ اسرارہم کے نام نامی نمایاں ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم حقانیہ سے دورہ حدیث کیا۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد آپ کے والد ماجد نے دورۂ تفسیر کے لیے حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں آپؒ کو لاہور بھیجا۔

آپؒ نے رمضان تا ذوالحجہ وہاں رہ کر مکمل دورۂ تفسیر پڑھا، امتحان میں سو نمبر حاصل کیے۔ اور امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے بیعت کی، حضرت مولانا سمیع الحق رحمۃ اللہ علیہ خود لکھتے ہیں:

''۲۷ مئی نمازِ عشاء سے قبل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے احقر نے بیعت کی درخواست کی، جس پر آپ نے والد ماجدؒ کی اجازت اور مرضی کی تحقیق کرنے کے بعد پذیرائی بخشی اور نمازِ عشاء کے بعد حضرت لاہوریؒ نے اپنے خصوصی کمرے میں یکسوئی اور تنہائی میں مجھے بیعت کروایا۔ لطیفۂ قلبی کی تعلیم وتلقین کی اور پھر خصوصی شفقت سے لبریز جامع دعا فرمائی۔ مجھے کم از کم ایک ہزار مرتبہ ''اللّٰہ ھو'' کہنے کا حکم فرمایا اور اشیائے خورد ونوش میں شدید احتیاط برتنے پر زور دیا۔'' (خودنوشت ڈائری)

آپ نے ۲۲ سال کی عمر میں جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تدریس شروع فرمادی، گویا آپؒ نے ساٹھ سال کے قریب ''قال اللّٰہ وقال الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کا درس دیا۔ آپؒ کا درس دل چسپ اور معلومات سے بھرپور ہوتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے اپنے ادارے سے ایک مجلّہ ماہنامہ ''الحق'' بھی جاری کیا، جس کے آپ ایک عرصہ تک مدیر رہے اور آپ کے اداریہ کی بڑے بڑے اکابر اور اہلِ قلم صحافی حضرات انتظار، تعریف اور توصیف کیا کرتے تھے۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ماہنامہ ''بینات'' میں ماہنامہ ''الحق'' پر ان دنوں ان الفاظ میں تبصرہ کیا گیا تھا:

''اس ماہنامہ کی ترتیب بڑی دلکش اور مضامین ایمان افزا ہوتے ہیں۔ اداریہ میں مسائلِ حاضرہ پر شگفتہ زبان، سنجیدہ اسلوب اور متین اندازِ بیان میں شرعی نقطۂ نظر سے بصیرت افروز تبصرہ، مقالات میں تنوُّع، عالم اسلام کے کوائف، عالمی مسائل اور ان کا صحیح حل اور تازہ مطبوعات پر جاندار تبصرہ اس مجلّہ کے خصوصی مشمولات ہوتے ہیں۔'' (ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ)

آپ کے فیضِ قلم سے درج ذیل کتب منصۂ شہود پر آئیں:

۱:- زین المحافل شرح الشمائل للترمذی، ۲:- اسلام کا نظامِ اکل وشرب (ترمذی ابواب الاطعمہ) کی شرح، ۳:- اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال (ترمذی ابواب البر والصلۃ) کی شرح، ۴:- کاروانِ آخرت، ۵:- شریعت بل کا معرکہ، ۶:- اسلام اور عصر حاضر، ۷:- صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام، ۸:- دعواتِ حق (۲ جلد)، ۹:- مکاتیبِ مشاہیر (۱۰ جلد)، ۱۰:- خطباتِ حق، ۱۱:- منبرِ حقانیہ سے خطباتِ مشاہیر (۱۰ جلد)، ۱۲:- قادیانیت: ملتِ اسلامیہ کا موقف، ۱۳:- قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ۔

....

حضرت مولانا سمیع الحقؒ نے یوں تو ان مذکورہ بالا کتب کے علاوہ بھی زندگی میں پیش آنے

والے ہر اہم واقعہ اور ہر اہم معاملہ پر لکھا اور خوب لکھا، شاید ان منتشر مضامین اور تحریروں کو جمع کیا جائے تو مزید کئی کتب منصۂ شہود پر آسکتی ہیں، لیکن فی الحال اس بزم میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے حضرتؒ ہی کے مضامین، انٹرویوز اور تحریرات میں سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، جو حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ کی تالیف کردہ کتاب ''مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات'' سے لیے گئے ہیں، جس سے محسوس اور معلوم ہوگا کہ آپ کو اُمتِ مسلمہ، خصوصاً پاکستانی قوم کے لیے کتنا فکرمندی اور درد تھا اور کس طرح سلگتے مسائل کے حل کے لیے آپ نے پاکستانی قوم اور حکومت کی راہنمائی فرمائی اور پاکستانی مخالف لابیوں کو کس انداز سے دندان شکن جواب اور دلائل سے چاروں شانے چت کیا۔

۱:......ایک جگہ علمائے کرام کو ان کی ذمہ داریوں اور فرائضِ منصبی کا احساس دلاتے اور آگاہ کرتے ہوئے آپؒ نے لکھا:

''علماء حق زمین کا نمک ہیں، جس کی نمکینی کلمۂ حق کہنے اور دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنے میں ہے، لیکن اگر نمک اپنی خاصیت کھو بیٹھے تو پھر کون سی چیز ہے جو اُسے نمکین بنا دے۔ اگر کسی میں یہ کربناک منظر دیکھنے کی تاب نہیں تو اسے یہ بات ہر وقت مستحضر رکھنی چاہیے کہ علم خدا کی صفت ہے اور عالم اس کا مظہر، اس علم کا تقاضا ہے کہ اسے اونچا رکھا جائے۔ خدا کی صفت ہر حال میں بالادستی کی مستحق ہے، دار ورسن ہو یا تلوار کی دھار، خدا کے وصفِ خصوصی کو ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اس علم کے حامل لوگ اس کی آبرو نہ رکھ سکیں تو ان کے لیے بہتر ہے کہ عالمانہ بھیس چھوڑ کر چمار اور بھنگی بننا قبول کرلیں۔ ملک وملت سے نصیحت وخیر خواہی کا معاملہ آپ کا فریضہ ہے، اگر کوئی تمہاری رہنمائی طلب کرے تو بصد خلوص بھرپور تعاون کریں، لیکن اگر معاملہ غلام اور خادم جیسا ہو تو یہ آپ کی اپنی تحقیر نہ ہوگی، بلکہ علم اور دین کی آبروریزی ہوگی۔ علماء دین تو ائمہ صدق وعزیمت امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے جانشین ہوتے ہیں۔ دربارِ اکبری کے ابوالفضل اور فیضی اور دربارِ عباسی کے قاضی ابوالبختری کے نقشِ قدم پر چلنے والے نائبِ رسول نہیں، بلکہ اس دھرتی پر خدا کی پھٹکار ہیں۔'' (مولانا سمیع الحقؒ: حیات وخدمات، ص:۱۶۵)

۲:...... پاکستانی قوم اور مدارس کے لیے دہشت گردی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، آپؒ نے جہاد اور دہشت گردی کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''مشکلات کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا ٹیررازم کو جس مقصد کے لیے استعمال کرتی ہے بغیر اس کے کہ وہ ہے کیا چیز؟ اس کی حدود کیا ہیں؟ کون سی چیز ٹیررازم ہے اور کونسی ٹیررازم نہیں ہے، خواہ اس تعریف ومعیار پر مغربی طاقتیں یا بڑی طاقتیں اُتریں یا کوئی گمنام شخص تو پھر پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ سب صاف ہوگا۔ یہ سارا معاملہ تب صحیح ہوگا جب ہم ڈیفینیشن طے کریں................میں خود چاہتا

ہوں کہ دہشت گردی کی متعین تعریف ہوجائے۔ اقوام متحدہ یا کسی اور پلیٹ فارم پر اس کا تشخص معلوم ہوجائے، حدود متعین کیے جائیں۔ لیکن میں آپ کو آسان الفاظ میں فرق بتاتا ہوں کہ جہاد اور ٹیررازم میں فرق کیا ہے؟ میں آپ کو مثال دیتا ہوں، رات کو ایک بس اس روڈ پر پشاور جارہی ہے اور چند ڈاکو اس کو روک لیں اور اس کے اندر گھس جاتے ہیں اور وہاں لڑکیوں کی بے عزتی وآبروریزی کردیتے ہیں، وہاں سواریوں کو قتل کردیتے ہیں، ان کا سارا سامان لوٹ لیتے ہیں تو اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، یہ ٹیررازم ہے اور ایک شخص گھر میں آرام سے سورہا ہے، چادر اور چاردیواری کا تحفظ ساری دنیا ضروری سمجھتی ہے، رات کے اندھیرے سے یا اپنی طاقت سے دن دھاڑے کوئی شخص بندوق کی نوک سے آکر میرے گھر میں گھس جاتا ہے، میری عزت لوٹتا ہے، میرے گھر کو لوٹتا ہے، میرے سارے گھر کو تباہ وبرباد کرتا ہے، اس وقت اگر میں گھر میں بندوق اُٹھاتا ہوں تو یہ میرے لیے لازمی ہے کہ میں اپنے گھر کا تحفظ کروں، اس گھر میں اگر کوئی اس طریقے سے آتا ہے تو اس کی بقاء کی جنگ جہاد ہے اور جو شخص باہر ڈاکو کی شکل میں آکر لوٹ کھسوٹ کرتا ہے وہ ہے ٹیررازم، ان دونوں میں فرق کرنا چاہیے۔‘‘

(ماہنامہ الحق، اگست ۲۰۰۵ء، بحوالہ مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات، ص:۱۴۰)

۳:......اسلام اور اُمت مسلمہ کی سالمیت کے بارہ میں لکھا کہ:

’’اب کسی ایک قانون، کسی ایک جزئیہ، کسی ایک عنوان یا کسی ایک مشن، کسی ایک مسئلہ اور ملت کے کسی ایک عضو واندام کی حفاظت کی بات نہیں، اب تو اُمت کی سالمیت کا مسئلہ ہے، دشمن پوری قوت سے اُمتِ مسلمہ کو ڈائنامیٹ کردینا چاہتا ہے۔ دنیا کی تمام طاقتیں اس بات پر متحد ہوگئی ہیں کہ اسلام کو بہرحال پنپنے نہیں دینا۔ اُمتِ مسلمہ کو جدید عالمی تبدیلیوں کے بڑے بڑے ہولناک چیلنجوں کا سامنا ہے۔ امریکہ، روس، چین، جاپان، برطانیہ اور پوری دنیائے کفر عالم اسلام کی بیداری کی نئی لہر سے خائف اور لرزاں وترساں ہے۔‘‘ (مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات، ص:۲۲)

۴:......افتراق وتشتُّت کا سبب بننے والی چیزوں سے احتراز کرنے کی تلقین کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

’’ہمیں آئندہ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا ہوگا جو دل آزاری اور افتراق وتشتُّت کا سبب ٹھہرے یا اس سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات متأثر ہوں۔ اگر ہم گزرے لوگوں (جنہوں نے ایسا کیا ہو) کے بارے میں فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں تو کم ازکم موجودہ لوگوں کو اتحاد ووحدت کی خاطر یہ اُمور چھوڑنے ہوں گے۔ فرمایا کہ: ’’تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَاتُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔‘‘ (مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات، ص:۳۷۸)

۵:...... پاکستانی قوم اور حکومت کو خودداری اور آزادی کا درس دیتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

’’کسی ملک کی امداد پر رہنا، کسی غیور زندہ قوم اور مسلمان قوم کے لیے مناسب نہیں ہے، ہم ایک آزاد قوم ہیں اور ہم نے بڑی عظیم قربانیوں سے یہ ملک حاصل کیا ہے۔ اس وقت ہمارا ملک بدقسمتی سے کچھ ایسے جغرافیائی حالات سے دوچار ہے جن سے بعض سپر طاقتیں ناجائز فائدہ اُٹھارہی ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں اقتصادی امداد کا سلسلہ جاری ہے اور بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں کی امداد کررہی ہیں، جو کہ درحقیقت مدد نہیں ہوتی، بلکہ سود پر رقم دیتے ہیں، جسے پھر امداد حاصل کرنے والے ممالک سود در سود واپس ادا کرتے ہیں اور یہ سودی نظام ساری دنیا میں رائج ہے۔ اس کو وہ اقتصادی امداد کا نام دے کر طرح طرح کے قومی، ملی اور دینی وسیاسی مفادات سے کھیلتے ہیں۔‘‘ (مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات، ص:۲۵۶)

۶:...... ایک انٹرویو میں اُمتِ مسلمہ کی قربانیوں کی بدولت مغربی اقوام کو ملنے والے فوائد اور اس کے بدلہ میں انہوں نے مسلمانوں کو کیا دیا؟ اس سوال کا جواب جب ان سے مانگا تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا، آپؒ نے فرمایا:

’’دیکھیے! افغانستان پر روس کا جو قبضہ ہوا تو سب سے بڑی قربانی پاکستان نے دی اور پاکستان کے عوام نے دی۔ کم از کم بیس لاکھ آدمی شہید ہوگئے۔ ۵۰ لاکھ کا بوجھ ہم نے اُٹھایا اور پورے پاکستان کو رسک میں ڈال دیا، ہوسکتا تھا کہ سویت یونین ہمیں بھی تباہ وبرباد کرکے رکھتا، ابھی تک ہم وہ نقصانات بھگت رہے ہیں۔ ۲۰ لاکھ آدمیوں کا قتل، ہزاروں معذور لولے لنگڑے، کئی لاکھ مہاجر ہمارے ملک میں اب بھی پڑے ہوئے ہیں۔ اس ساری قربانی کے بعد اس کا سارا فائدہ مغربی اقوام نے لیا۔ ایک فائدہ یہ کہ امریکہ واحد سپر پاور بن گیا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ آپ کا مشرقی یورپ سارا آزاد ہوگیا۔ تیسرا فائدہ یہ کہ برلن کی ساری دیواریں ٹوٹ گئیں اور تمام دنیا پر صرف مغربی قوتوں کا ہولڈ آگیا۔ یورپی یونین سارا آپس میں متحد ہوگیا۔ یہ سب کچھ ہماری قربانیوں کا پھل تھا، ہمیں کیا ملا؟ اتنی بڑی قربانیوں کے بعد بھی ہمارا افغانستان جہنم کدہ بنا ہوا ہے اور ایسی آگ میں ڈالا گیا جس سے کوئی نہیں نکل سکتا اور پھر پاکستان کی کیا حالت ہے؟ کہ ہم دہشت گرد کہلائے، اب ہم ہر جگہ ٹیرارسٹ ہیں اور دنیا میں بلی بھی ایک چوہے کو پکڑتی ہے تو شور مچتا ہے کہ یہ پاکستان سے ہوا، تو جن لوگوں کی قربانیوں اور سرگل سے یہ سب کچھ ہوا اور وہ سب کچھ ہم نے آپ کی جھولی میں ڈالا تو آپ ہمارے ساتھ کم از کم یہ نہ کریں کہ کانٹے صرف ہم کو ملیں اور ہمارا سارا دامن ہی کانٹوں سے بھردیا۔ تو اس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا، وہ بڑے متأثر ہوئے اور سوچ کر کہا کہ واقعی یہ سوچنے کی بات ہے۔‘‘ (مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات، ص:۱۳۹)

۷:...... تجدد پسندوں اور مغربی افکار ونظریات کے دل دادہ لوگوں کے عزائم سے آگاہ کرتے

ہوئے حضرت موصوفؒ لکھتے ہیں:

''الغرض تجدد واصلاحِ مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی، مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، ان کی ذہنی ساخت، تعلیم وتربیت، ذاتی وسیاسی مصالح، مغربی تہذیب وتمدن میں سرتاپا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہورہی ہے اور اسلام پر تحقیق وریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آرہے ہیں، ان سب چیزوں سے یہ حقیقتِ مسلمہ کھل کر سامنے آچکی ہے کہ دراصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب وتمدن اور لادینی افکار وخیالات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقشِ قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار وروایات حائل ہو سکتے ہوں ان میں ترمیم وتنسیخ کی جائے یا اُسے کھینچ تان کر اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔ اور مختصراً یہ کہ اس طرح حقیقی خدوخال سے محروم ہو کر ملک ومعاشرہ کو ''مغربیت'' کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوئی رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورت حال ہے جس سے تجدد اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب وافکار کی ہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا رونا علامہ اقبالؒ رو چکے ہیں:

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

اور یہی وہ تشویشناک صورت حال ہے جس نے دینی اقدار وافکار پر مر مٹنے والے علماء اور غیور مسلمانوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کے اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگِ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ اہلِ تجدد اور مغرب زدہ طبقہ کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کے سامنے اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا جائے، نہ کہ حالات اور زمانہ کو مذہب کے مطابق بنایا جائے۔'' (مولانا سمیع الحقؒ: حیات وخدمات، ص:۳۰۴-۳۰۵)

۸:......ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے فتنہ کے بارہ میں آپ نے لکھا:

''ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کے ادارے ''اسلامی تحقیقاتی ادارہ'' کا مشغلہ ہی آج تک دین کے مسلمات سے تلاعب، تمسخر اور اُسے مشقِ مسخ وتحریف بنانے کے سوا کچھ نہیں۔ ان کے مشاغل وعزائم کی کچھ جھلکیاں ہم وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں، ادارے کے بزعم خود شہرۂ آفاق محقق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا

اصل روپ اب مسلمانوں سے مخفی نہیں رہا۔ ان کی مساعی کا نتیجہ سوائے ضیاعِ وقت کے کچھ اور نہیں نکلتا اور ان کی تحقیقات مسلمانوں کی دل شکنی اور نظریۂ پاکستان سے انحراف رہا، باہمی تفریق وانتشار اور پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کا سبب بن رہی ہیں۔'' (الحق، اکتوبر ۱۹۶۶ء)

۹:...... قادیانیت کے بارہ میں آپ نے لکھا:

''قادیانیت مسلمانوں کے لیے ایک ایسا شجرۂ خبیثہ ہے، جس کی جڑیں کبھی بھی عقل ودانش کی زمین میں جگہ نہیں پکڑ سکیں، لیکن دجل وتلبیس، ملمع سازی اور فریب کے بل بوتے پر اس کی شاخیں کبھی کبھی پھیلنے لگتی ہیں اور خطرہ لاحق ہوجاتا ہے کہ دینِ قیم کے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لیے پر خار دار جھاڑیاں اور کانٹے راہِ حق سے بھٹکنے کا ذریعہ نہ بن جائیں...... گو آج انور شاہ کشمیریؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ہم میں نہیں، مگر مسلمانوں کے منبر ومحراب، ہر مدرسہ وخانقاہ، ہر مجلس ومحفل سے ان اکابر کی روح بول رہی ہے اور ہر مسلمان کے دل میں وہ آگ سلگ رہی ہے، جسے ان اکابر نے روشن کیا تھا، یہاں ہم اس دریدہ دہن کی خدمت میں صرف یہ شعر پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

مت سوچ ''بخاری'' نہیں اربابِ وطن میں
یہ دیکھ فضا شعلہ فشاں ہے کہ نہیں ہے
جو آگ سلگتی رہی اس شیر دل میں
اس آگ سے ہر روح تپاں ہے کہ نہیں ہے

(بادنیٰ تغیر، الحق مارچ ۱۹۶۷ء)

۱۰:...... قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی وضاحت کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

''قادیانیت کے بارے میں آئین کی اسلامی دفعات ہیں، اس مسئلے کا فیصلہ نہ تو مولویوں نے کیا ہے اور نہ ہی کسی مدرسے نے، بلکہ پارلیمنٹ نے کیا ہے، انہوں نے پورے چالیس دن بڑے بڑے وکلاء اور اٹارنی جنرل رکھے ہوئے تھے اور وہ دہشت گرد تو کیا پارلیمنٹرین بھی نہیں تھے، بھٹو خود سوشلسٹ، اور روشن خیال تھا، انہوں نے آئین کی روشنی میں فیصلہ کیا۔ اب اس کے بارے میں ہر وقت مسئلہ اُٹھتا ہے کہ آئین سے یہ چیز امریکہ نکال رہا ہے، جو بہت افسوس کی بات ہے، اس کی تلافی کرنی چاہیے، امریکہ کو اپنی براءت کا کھل کر اظہار کرنا چاہیے، پارلیمنٹ کسی کو غیر مسلم کہے یا مسلمان کہے، امریکہ کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی فنڈامینٹل (Fundamental) ہونے کی وجہ سے ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی تھی، بلکہ وہ خود کہتے تھے کہ ہمارا نبی الگ ہے، اس کی الگ کتاب ہے، جیسے

موسیٰؑ کے بعد عیسیٰؑ آ گئے اور عیسیٰؑ کے بعد حضور ﷺ، کوئی بھی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کردے۔ کیا ایسے شخص کو یہودی موسیٰؑ کی طرح اور عیسائی عیسیٰؑ کی طرح نبی ماننے کے لیے تیار ہیں؟ وہ ہرگز تیار نہیں ہوں گے، اگر آپ ہمیں مجبور کرتے ہیں تو پہلے خود اعلان کیجیے کہ عیسائی اور یہودی اب مرزا غلام احمد کے امتی ہیں۔ جب مرزائیوں نے خود کہا کہ ہم علیحدہ ایک امت ہیں، باقاعدہ ان کی کتابوں کے حوالے ہیں اور دوسری اہم بات یہ کہ ان کے تعلقات اسرائیل کے ساتھ تھے۔ درحقیقت یہ مسلمانوں کے خلاف استعمار اور سامراج کا ایک ففتھ کالم سیاسی گروپ تھا، جس کی سازشیں اور عزائم ہم نے قومی اسمبلی میں مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیے۔ پسِ منظر میں ان کی ساری تاریخ مسلمانوں کے خلاف تھی۔ کشمیر میں بھی انہوں نے غداری کی ہے، سارا علاقہ کاٹ دیا، تقسیم ایسی کی گئی کہ ضلع گورداسپور انڈیا کے ساتھ شامل ہوگیا اور کشمیر ہم سے کٹ گیا، یہ بہت بڑی داستان ہے۔ قومی اسمبلی میں ہمارے بزرگوں نے جو بحث کی ۱۹۷۴ء کی، وہاں ہمارے بزرگوں نے مسلمانوں کا موقف پیش کیا کہ ان کو کیوں غیر مسلم سمجھتے ہیں، اس کے بعد اس پر تین سو صفحات کی کتاب مسلمانوں کی طرف سے لکھی گئی تھی، اس میں کافی حصہ میں نے بھی لکھا تھا، میں اس وقت نوجوان تھا، جبکہ پہلا حصہ جسٹس تقی عثمانی صاحب نے لکھا تھا، اس میں سارے دلائل واضح طور پر ذکر کیے گئے تھے۔ اگر امریکہ میں اوباما بھی وہ کتاب پڑھتا تو وہ بھی فیصلہ کرلیتا کہ یہ لوگ مسلم نہیں ہیں۔ مسئلہ صرف مسلمان اور غیر مسلمان کا نہیں تھا، بلکہ مسئلہ غدار اور غیر غدار کا بھی تھا۔ وہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے تھے، جیسے آپ امریکہ میں کسی ایسے شخص یا جماعت کو برداشت نہیں کرتے جو غدارِ وطن و دین ہو تو ایسے ہم بھی غدارِ وطن، غدارِ ملت اور غدارِ دین کو برداشت نہیں کرتے۔''

(مولانا سمیع الحق: حیات وخدمات، ص: ۳۵۲-۳۵۳)

....

راقم الحروف کی حضرت مولانا سمیع الحقؒ سے سرِراہ تو کئی بار سلام دعا ہوئی، لیکن تفصیلی ملاقات اس وقت ہوئی جب حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی تعزیت کے لیے حضرت مولانا مفتی خالد محمود اور مفتی محمد بن جمیل خان کے ہمراہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک گیا تھا۔ حضرت شہیدؒ بہت ہی شفقت اور محبت سے ملے، کافی دیر باتیں ہوتی رہیں، راقم الحروف سے فرمایا: میں آپ کا اداریہ ماہنامہ ''بینات'' میں پڑھتا ہوں، دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ غائبانہ تو آپ سے تعارف ہے، آج بالمشافہہ ملاقات غالبًا پہلی دفعہ ہورہی ہے۔ پھر فرمایا: اور مضامین بھی لکھتے ہیں یا راشد الحق کی طرح صرف اداریہ لکھنے پر اکتفا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! آپ دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ دین کی خدمت لیتے رہیں۔

تقریباً دو گھنٹے سے زیادہ وقت دیا، کھانا اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا اور اپنی شہرہ آفاق کتاب ’’مکتوباتِ مشاہیر‘‘ مکمل سیٹ بھی ہدیۃً عنایت فرمایا۔ اس موقع پر آپؒ نے فرمایا: آج کل حضرت لاہوریؒ کے افادات پر کام کررہا ہوں، دعا ہے کہ وہ میری زندگی میں مکمل ہوجائے۔ اس پر حضرت مفتی خالد محمود صاحب نے آپ سے کہا: حضرت! آپ سیاست میں اپنے آپ کو نہ اُلجھائیں، بس اسی علمی کام میں اپنے آپ کو ہمہ وقت مصروف رکھیں، اس میں آپ کی زیادہ ضرورت ہے.........

حضرتؒ کی شہادت کی خبر جیسے ہی ملی تو دل پر بہت زیادہ صدمہ ہوا، اور دل میں آیا کہ حضرت کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرکے اپنی بخشش کا سامان کیا جائے۔ دوسرے دن صبح کی فلائٹ میں مولانا مفتی خالد محمود صاحب کی سربراہی، مولانا ڈاکٹر سعید خان اسکندر اور مولانا محمد ابراہیم سکرگاہی کی ہمراہی اور پشاور سے محترم جناب بھائی زبیر علی صاحب کی قیادت میں آپؒ کے جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حامد الحق نے پڑھائی، جس میں بلامبالغہ لاکھوں لوگ شریک تھے۔ آپ کی نمازِ جنازہ ساڑھے تین بجے پڑھائی گئی، لیکن ازدحام کی بنا پر مغرب کے بعد تک گاڑیاں اپنی اپنی جگہ پھنسی رہیں، جیسے ہی ہماری گاڑی کو کچھ راستہ ملا، ہم نے دارالعلوم حقانیہ میں مغرب کی نماز ادا کی اور اس کے بعد اپنے رفقائے سفر کے ہمراہ حضرت مولانا حامد الحق سے تعزیت کی۔

چونکہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم عذر کی بنا پر نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوسکے تو ۳۰ رصفر مطابق ۹ رنومبر بروز جمعہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت ڈاکٹر مولانا سعید خان اسکندر کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری دامت برکاتہم، اساتذۂ جامعہ اور ادارہ بینات حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور حضرت کی شہادت کے سانحہ کو اپنا سانحہ اور غم تصور کرتے ہیں۔ قارئین بینات سے حضرت موصوف کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا سمیع الحق رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کو قبول فرمائے، آپ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، آپ کے پسماندگان، متعلقین اور آپ کے تلامذہ کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے قاتلین کو دنیا وآخرت میں عبرت کا نشان بنائے۔ آمین

....

فیصلہ آپ کریں!!

ملکِ عزیز اس وقت جن داخلی وخارجی خطرات کے گرداب میں گھرا ہوا ہے، وہ کسی صاحبِ بصیرت پر مخفی نہیں۔ لگتا یوں ہے کہ پاکستان کو اقتصادی مشکلات کا شکار دکھا کر اور باور کرا کر صاحبانِ اقتدار واختیار سے اپنے من مانے فیصلے اور مطالبات کرائے اور منوائے جارہے ہیں۔ ہمارے اربابِ حکومت بھی ان بیرونی قوتوں اور اپنے اُن مغربی آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملانے کو اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھ کر ان کے ہر جائز وناجائز مطالبہ کے سامنے سرِتسلیم خم کیے جارہے ہیں۔ اور اپنی پاکستانی قوم سے اس انداز سے خطاب اور بات کرتے ہیں، جیسے پوری پاکستانی قوم ان کی غلام اور یہ ان کے آقا ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ جس ملعونہ آسیہ کو سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ پوری عدالتی کارروائی اور مراحل کو روبعمل لاکر اُسے سزائے موت سناتی ہے، اسے اس حکومت کے آتے ہی براءت اور رہائی کا پروانہ مل جاتا ہے اور جب پاکستانی قوم کشمیر تا کراچی سراپا احتجاج بنتی ہے، ایک طرف تو انہیں یوں مخاطب کیا جاتا ہے کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں اور احتجاج کرنے والوں سے سختی سے نمٹا جائے گا۔ وزیرِ اطلاعات کہتا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا کچھ کیا جائے گا کہ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ اور دوسری طرف دارالحکومت کے عین نیچے، راولپنڈی میں بحریہ ٹاؤن اسکیم میں حضرت مولانا سمیع الحقؒ (جن کی ساری زندگی اپنے ملک پاکستان کے استحکام اور حفاظت میں گزری) اپنے گھر میں دن دِہاڑے شہید ہوجاتے ہیں اور تا حال ان کے قاتلین کا سراغ بھی نہیں ملتا۔ کیا کہا جائے کہ حکومتی مشینری کا کام صرف اپنی عوام کو ڈرانا اور دھمکانا رہ گیا ہے اور باقی ملک میں بھلے کشت وخون، چوری وڈکیتی اور اغواء کی وارداتیں ہوتی رہیں، حکومت اور اس کے کارپردازان کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔

آخر حکومتی افراد اس ملک اور قوم کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟! اگر حکومت ملعونہ آسیہ کی رہائی کو دباؤ کا نتیجہ نہیں سمجھتی تو اس کے پاس قوم کے ان سوالات کا کیا جواب ہے:

۱:- اس سال ۲۰۱۸ء کے ماہِ جنوری میں یورپی یونین کا وفد آکر پاکستانی حکام پر پاکستان کی تجارتی پالیسی میں شرکت کی بقا کو آسیہ ملعونہ کی رہائی کے ساتھ کیوں مشروط کرتا ہے؟

۲:- وزیرِاعظم صاحب وزیرِاعظم بنتے ہی یہ کیوں انٹرویو دیتے ہیں کہ جب آسیہ ملعونہ معافی مانگ رہی ہے تو اس کو معافی دے دینی چاہیے؟

۳:- فیصلے سے پہلے پورے ملک میں ہائی الرٹ کے احکامات کیوں دیئے گئے تھے؟

۴:- حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ جب وزیراعظم عمران خان صاحب سے ملے اورانہوں نے سوال کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آسیہ ملعونہ کی رہائی کی باتیں ہورہی ہیں اورآپ پر دباؤ ڈالا جارہا ہے، میں آپ کوکہتا ہوں کہ ان کے دباؤ میں نہ آئیں، تو وزیراعظم صاحب نے اس کا انکار کیوں نہیں کیا؟

۵:- آسیہ ملعونہ کی رہائی پر برطانیہ کی پارلیمنٹ، ان کا وزیراعظم، عیسائیوں کا پوپ اور پورا یورپ، امریکہ اورنعوذ باللہ! حضوراکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکے بنانے والاملعون کیوں خوشیاں منارہا ہے؟

۶:- صرف یہی نہیں، بلکہ شیطان کی آنت کی طرح امریکہ اور برطانیہ کے مطالبات میں اضافہ کیوں ہورہا ہے؟ اس فیصلے کے بعد امریکہ نے پاکستان سے ۴۰ گستاخوں کی رہائی کا مطالبہ کردیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آسیہ ملعونہ کی حفاظت یقینی بنانے، توہینِ رسالت کے قوانین بدلنے کی فرمائش، آسیہ ملعونہ کی رہائی کے فیصلے کی تحسین، پاکستان سے سزائے موت ختم کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ روزنامہ اُمت کی درج ذیل خبر میں ملاحظہ فرمائیں:

''واشنگٹن/لندن (مانیٹرنگ ڈیسک) امریکہ نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ توہینِ رسالت کے جرم میں قید ۴۰ افراد کو رہا کیا جائے اورآسیہ بی بی کی حفاظت یقینی بنائی جائے، جبکہ برطانیہ نے بھی آسیہ بی بی کی بریت کے فیصلے کو جرأت مندانہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان سزائے موت کا قانون ختم کرے۔ امریکہ کے بین الاقوامی مذہبی آزادی کمیشن (یوایس سی آئی آر ایف) نے سپریم کورٹ کی جانب سے توہینِ رسالت کیس میں آسیہ بی بی کی سزائے موت کالعدم قرار دینے کے فیصلے کا خیرمقدم کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ توہینِ مذہب کے الزام میں گرفتار دیگر ملزمان کو رہا کیا جائے۔ یوایس سی آئی آر ایف نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ آسیہ بی بی کی بریت کے فیصلے کا خیرمقدم کرتے ہیں، کیونکہ ان کے دفاع کے دوران پاکستانی حکومت کے دوعہدیداروں شہباز بھٹی اور سلمان تاثیر کو قتل کیا گیا۔ امریکہ کے بین الاقوامی مذہبی آزادی کمیشن کے چیئرمین ٹینزن ڈورجی نے الزام لگایا کہ آسیہ بی بی کا کیس واضح کرتا ہے کہ توہینِ مذہب کے قوانین کو کس حد تک اقلیتی برادری کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، جبکہ ان قوانین کا مقصد فرد کے بجائے پورے مذہب کی حفاظت کرنا ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا: اس کیس کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے معیار کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ انتہائی تشویشناک بات تھی کہ آسیہ بی بی کا کیس اس حد تک پہنچا اور وہ پاکستان کی تاریخ میں توہینِ مذہب کے الزام میں سزائے

موت پانے والی پہلی خاتون بن گئی۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد پیش آنے والی صورت حال پر یوایس سی آئی آر ایف نے پاکستانی حکام پر زور دیا کہ وہ آسیہ بی بی کی رہائی پر ان کی حفاظت یقینی بنائیں۔ بیان میں حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ قادیانی عبدالشکور سمیت توہینِ مذہب کے الزام میں قید ۴۰ اَفراد کو رہا کیا جائے اور توہینِ رسالت کے قانون کو تبدیل کیا جائے۔ .... دوسری جانب آسیہ بی بی کی بریت کی بازگشت برطانوی پارلیمنٹ تک بھی پہنچ گئی۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق وقفۂ سوالات کے درمیان برطانوی وزیراعظم تھریسامے سے اس فیصلے کو تسلیم اور تعریف کرنے سے متعلق سوال پوچھا گیا۔ برطانوی رکن پارلیمنٹ نے وزیراعظم تھریسامے سے پوچھا کہ کیا وزیراعظم تھریسامے پاکستان کی سپریم کورٹ کی جانب سے مسیحی خاتون اور ۵ بچوں کی والدہ آسیہ بی بی، جس نے پانی پینے کے معاملے پر پیدا ہونے والے تنازع کے نتیجے میں توہینِ مذہب کے الزام میں سزائے موت کا سامنا کرتے ہوئے ۸ سال جیل میں گزارے، اس کی سزا کالعدم قرار دینے کو خوش آمدید کہیں گی اور کیا وزیراعظم، پاکستان کے چیف جسٹس میاں ثاقب نثار کی جرأت اور بہادری اور انصاف کی فراہمی قائم کرنے اور آسیہ بی بی کی رہائی سے تمام عقائد کے لیے مذہبی آزادی کے بھیجے گئے پیغام کی تعریف کریں گی؟ اس پر برطانوی وزیرِ اعظم نے جواب دیا کہ پاکستان سے آنے والی آسیہ بی بی کی رہائی کی خبر کا اُن کے اہل خانہ اور پاکستان سمیت دنیا بھر میں اُن کی رہائی کی مہم چلانے والوں کی جانب سے خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ: سزائے موت پر ہمارا ٹھوس موقف سب جانتے ہیں اور ہم عالمی سطح پر اس کے خاتمے کا مطالبہ کرتے ہیں۔'' (روزنامہ اُمت کراچی، ۲؍نومبر ۲۰۱۸ء)

اس لیے پاکستان کی تمام دینی، مذہبی، سیاسی جماعتیں اور پوری پاکستانی قوم اس پر سراپا احتجاج ہے کہ ہمارے ملک کو یرغمال بنا کر اُن کے اوپر بیرونی ایجنڈا مسلط کیا جارہا ہے اور موجودہ حکومت ان کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے آلۂ کار کے طور پر لائی گئی ہے، جیسا کہ ۸ نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات شاہراہِ قائدین پر متحدہ مجلس عمل کے زیرِ اہتمام تحفظِ ناموسِ رسالت ملین مارچ کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا:

''کراچی (رپورٹ: اسامہ عادل) متحدہ مجلس عمل کے تحت تحفظِ ناموسِ رسالت ملین مارچ کے قائدین نے ملعونہ آسیہ کی رہائی کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے ناموسِ رسالت (ﷺ) تحریک جاری رکھنے اعلان کیا ہے۔ قائدین نے کہا کہ: فیصلہ قانون اور آئین کے بجائے

عالمی دباؤ پر کیا گیا۔ موجودہ حکمرانوں کو مسلط کرنے کا مقصد ملک کی نظریاتی خودمختاری اور آزادی کو سلب کرنا ہے۔ ہم نظریاتی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ گرفتاریوں سے خوف زدہ نہیں، بلکہ سر پر کفن باندھ کر آچکے ہیں۔ عدالتی فیصلے کے خلاف آج ملک بھر میں ضلعی ہیڈکوارٹرز پر بعد نمازِ جمعہ پرامن احتجاج کیا جائے گا۔ ۱۵ نومبر کو لاہور میں ملین مارچ اور ۲۵ نومبر کو سکھر میں ختمِ نبوت کانفرنس ہوگی اور آئندہ کے لائحہ عمل کا اعلان کیا جائے گا۔ ان خیالات کا اظہار متحدہ مجلس عمل کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن، علامہ ساجد میر، عبدالغفور حیدری، شاہ اویس نورانی، معراج الہدیٰ صدیقی، مولانا راشد محمود سومرو، علامہ شبیر میثمی، محمد حسین محنتی، علامہ ناظر عباس تقوی، حافظ نعیم الرحمٰن، قاری محمد عثمان، یوسف قصوری، مولانا عبدالقیوم ہالیجوی، مولانا اعجاز مصطفیٰ نے جمعرات کو شاہراہِ قائدین پر متحدہ مجلس عمل کراچی کے تحت تحفظِ ناموسِ رسالت (ﷺ) ملین مارچ کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ ملین مارچ کے شرکاء نے بے مثال مظاہرہ کر کے سچے اُمتی ہونے کا ثبوت دیا اور حکمرانوں پر واضح کر دیا کہ توہینِ رسالت کے قانون کو تبدیل نہیں کرنے دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف گزشتہ جمعہ کو فرزندانِ اسلام کی عوامی عدالت نے فیصلہ دیا اور عدالتی فیصلے کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا کوئی فیصلہ قبول نہیں کیا جائے گا جو ناموسِ رسالت کے خلاف ہو۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانیوں کے قاتل ریمنڈ ڈیوس کو امریکہ کے حوالے کیا گیا اور ممتاز قادری کو پھانسی دے دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی نظریاتی شناخت ختم کر دی گئی ہے۔ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنایا جا رہا ہے۔ ہم اس وقت بھی اپنے وطن کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے امریکہ اس فیصلے کو سراہ رہا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ بیلجیم کا صدر اس فیصلے کی تحسین کرتا ہے؟ ایک پوپ عدالتی فیصلے پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ اسلامی ملک کی کیسی سپریم کورٹ ہے جس کے فیصلے پر اُمتِ مسلمہ مضطرب، اہلِ مغرب اور یہودی جشن منا رہے ہیں۔ اگر کسی کو مغرب کی یاری اتنی عزیز ہے تو وہ منصب چھوڑ کر ٹرمپ کے گھر چلا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمنٹ میں ایک لابی سرگرم ہے۔ پی ٹی آئی کے ارکان اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کس طرح کی ریاستِ مدینہ قائم کرنا چاہتے ہیں؟! کہتے ہیں کہ ریاستِ مدینہ میں بھی یہودیوں سے معاہدہ کیا گیا تھا۔ ان کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ریاستِ مدینہ قائم کی تو یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے

نکالنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے حکمرانوں کو متنبہ کیا کہ ہم زندہ رہیں اور پاکستان پر اسرائیل کا جھنڈا لہرائے، یہ کبھی نہیں ہوگا۔ حکمران یہودی ایجنڈا لے کر آئے ہیں۔ ملک بھر میں قادیانی نیٹ ورک سرگرم ہو چکا ہے۔ ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کا باپ بھی ناموسِ رسالت قانون کو ختم نہیں کرسکتا۔ ہم سروں پر کفن باندھ کر نکلے ہیں اور حکمرانوں کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم گیڈر بھبکیوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ ۱۵ نومبر کو لاہور میں ملین مارچ ہوگا۔ آج (جمعہ) تمام ضلعی ہیڈ کوارٹرز پر مظاہرے کیے جائیں گے۔ ۲۵ نومبر کو سکھر میں ختمِ نبوت کانفرنس ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ مولانا سمیع الحق کو شہید کیا گیا، ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

علامہ ساجد میر نے کہا کہ عمران خان کو مسلط کرنے والے ٹھیکیداروں کو بتانے کے لیے ملین مارچ کیا گیا ہے کہ ناموسِ رسالت پر ہر مسلمان جان قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ توہینِ رسالت کے ۸ ہزار کیس ہوئے ہیں، لیکن کسی ایک میں بھی سزا نہیں دی گئی۔ وزیر اعظم کہتے ہیں کہ مذہبی کارڈ استعمال نہیں کرنے دیں گے۔ ہم ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم کوئی مذہبی کارڈ استعمال نہیں کر رہے، بلکہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

مولانا عبدالغفور حیدری نے کہا کہ حکمرانوں سے پہلا کام اسرائیل کو تسلیم کرانے اور دوسرا کام قادیانیوں کے لیے سہولت کاری کا لیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ نے انصاف کا قتل کیا ہے۔ ہم اس فیصلے کو نہیں مانتے۔

شاہ اویس نورانی نے کہا کہ آج کے ملین مارچ سے پیغام گیا ہے کہ جو قوتیں ناموسِ رسالت قانون میں ترامیم چاہتی ہیں، وہ یاد رکھیں کہ ہماری مائیں ممتاز قادری پیدا کریں گی۔ یہ ملک غلامانِ مصطفیٰ کا ہے۔ جب تک فیصلے کو واپس نہیں لیا جائے گا، مجلسِ عمل کا قافلہ جاری رہے گا۔

معراج الہدیٰ صدیقی نے کہا کہ پوری ملت اسلامیہ متحد ہے۔ اگر توہینِ رسالت ہوئی تو اسلام آباد میں بیٹھنے والے نہیں رہیں گے۔

علامہ شبیر میثمی نے کہا کہ آج کے مارچ نے واضح کر دیا ہے کہ ہم ناموسِ رسالت پر ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

محمد حسین محنتی نے کہا کہ عالمی سازش کے تحت آسیہ کو رہائی دی گئی۔ ممتاز قادری کو تو لمحوں

میں پھانسی دے دی گئی اور توہینِ رسالت کی مرتکب ملعونہ کو رہا کر دیا گیا۔

ناظر عباس تقوی نے کہا کہ وزیر اعظم جو پاکستان کو ریاستِ مدینہ بنانے کا دعویٰ کرتے تھے، ان کی ریاستِ مدینہ میں توہینِ رسالت کی گئی۔ سپریم کورٹ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں، لیکن توہینِ رسالت برداشت نہیں کر سکتے۔

حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا کہ آج ہم ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آج انسانوں کا سمندر اعلان کر رہا ہے کہ ناموسِ رسالت پر حملہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جو آسیہ کا ساتھی ہوگا، ہماری اس سے جنگ ہے۔ ہماری سپریم کورٹ نے مغرب کے ایجنڈے کو پورا کیا ہے۔ اگر چیف جسٹس کہیں کہ توہینِ عدالت کا مقدمہ چلائیں گے، اس کے لیے ہم تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آسیہ کو باہر بھیجنے کی سازش ہوئی ہے، لیکن یہ تحریک رُکنے والی نہیں ہے...............'' (روزنامہ اُمت کراچی، ۱۳؍نومبر ۲۰۱۸ء)

اور اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ پاکستان تحریکِ انصاف کی ایک خاتون رکن عاصمہ حدید نے قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے، اسرائیل کو تسلیم کرنے اور ان کے ساتھ معاہدہ کرنے پر بہت زیادہ زور دیا اور اس کے علاوہ کئی خود ساختہ باتیں بنا کر گویا باور کرایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی خواہش کے مطابق ان کا قبلہ بیت اللہ اور یہودیوں کا مسجد اقصیٰ کو بنا دیا۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے قوم یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ موجودہ حکومت بیرونی دباؤ میں ہے اور انہیں کے تمام احکامات کو بروئے کار لانے میں مصروفِ عمل ہے۔

بہرحال حکومت کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کن راستوں پر چل نکلی ہے اور پاکستانی قوم ان سے کیا چاہتی ہے۔ وہ پاکستان پر حکومت کر رہے ہیں، انہیں پاکستانی قوم کے دین و مذہب اور مزاج ومفاد میں فیصلے کرنے چاہئیں، نہ کہ بیرونی قوتوں کے مفاد میں۔ اقتدار آنی جانی شئے ہے اور یہ بات بارہا ثابت ہوچکی ہے کہ جن لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے منصبِ ختمِ نبوت کا تحفظ کیا اور آپ ﷺ کی عزت وعصمت اور ناموس کی حفاظت کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی مقام ومرتبہ عطا فرمایا اور ان شاء اللہ! آخرت میں بھی انہیں فلاح وکامیابی ملے گی اور جن لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے منصبِ ختمِ نبوت اور آپ ﷺ کی ناموس پر حملہ آوروں اور توہین کرنے والوں کا ساتھ دیا، وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ! ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہوگی، فیصلہ آپ نے کرنا ہے!!!۔

وصلّی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❋ ..... ❋ ..... ❋ .....

نبی کریم ﷺ کے فرائضِ منصبی!

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

قرآن حکیم نے چار مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

۱:- آیات پڑھ کر سنانا۔

۲:- تزکیہ کرنا، یعنی کفر وشرک، بدعملی وبداخلاقی اور اُمورِ جاہلیت سے ان کو پاک وصاف کرنا۔

۳:- کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم دینا اور اس کے مضامین کی تشریح کرنا۔

۴:- حکمت ودانائی، احکام کے علل وغایات اور شریعت کے اُصول ومقاصد کی تعلیم دینا۔

تزکیہ سے مراد عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی ہے۔ قرآن کریم نے تین مقامات پر تزکیہ کا ''تعلیم'' سے مقدم ذکر فرمایا، جس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقدرِ ضرورت تزکیہ تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے۔ تعلیم اسی وقت مفید اور بارآور ہوسکتی ہے، جب کہ قلوب میں اس کے قبول کرنے کی اہلیت اور جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہو، زمین کو پہلے کاشت کے قابل بنایا جائے، پھر تخم ریزی کی جائے، ورنہ وہی کیفیت ہوگی جو عارف شیرازیؒ نے فرمائی:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ تزکیہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے فیضانِ صحبت اور مکارم اخلاق سے حاصل ہوتا تھا اور اب بھی بقدرِ استعداد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ربط وتعلق اور ان کی صحبت اور مجالست سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تعلیمِ کتاب وحکمت سے بھی اصل مقصود تزکیہ ہے، یہ نہ ہو تو ساری تعلیم بے کار رہے۔ اعمال واخلاق کے بغیر نرے علوم ومعارف کی حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر

نہیں۔ آدمی ساری دنیا کی کتابیں چاٹ لے، لیکن اگر انسانی اخلاق اور ایمانی اعمال نہیں، تو پڑھا لکھا جانور تو ہوسکتا ہے، مگر انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

تزکیہ کے بغیر نہ ایمان میں رسوخ کی کیفیت اور یقین واطمینان کی قوت پیدا ہوگی، نہ اخلاق درست ہوسکیں گے، نہ اخلاص کی دولت ملے گی، نہ اعمال پر مداومت نصیب ہوگی، نہ اندر کا فرعون (مکارِ نفس) ہلاک ہوگا، نہ مخلوق سے لڑائی بند ہوگی:

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ''**تعلمنا الإیمان ثم تعلمنا القرآن**'' (سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فی الایمان، ص:۷، ط: قدیمی) کہ ''ہم نے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا۔'' یہ ایمان کا سیکھنا ہی تزکیہ کہلاتا ہے کہ قلب غیر اللہ کے بتوں سے پاک ہو، اعمال ریا وغیرہ سے پاک ہوں اور نفس کمینے اخلاق سے پاک ہو، معاشرہ اُمورِ جاہلیت سے پاک ہو، کمائی حرام اور مکروہ ذرائع سے پاک ہو، وغیر ذلک۔

یہی تزکیہ تھا جس کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی بشارتوں سے نوازا اور اُنہیں آسمانی وحی کی شہادت اور سند ملی۔ سورۂ فتح میں ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرتے ہوئے ایک وصف باہمی رحمت وشفقت ذکر کیا گیا ہے: ''**رحماء بینھم**'' یہ وصف کامل تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کو نہ سمجھنے کی خرابی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلا وصف یہی بیان فرمایا: ''**أبرھم قلبا**'' کہ ان کے دل بہت پاک صاف تھے، دوسرا وصف بیان فرمایا: ''**وأعمقھم علمًا**'' ان کا علم بڑا گہرا تھا، تیسرا وصف بیان فرمایا: ''**وأقلھم تکلفا**'' ان کی زندگی تکلفات اور تصنع سے پاک تھی۔ (مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ج:۱ص:۳۲، ط: قدیمی)

حضراتِ صوفیاء اور اشاعتِ دین

حضرات صوفیا کرام (رحمہم اللہ) جن کے ذریعہ دین کی تبلیغ واشاعت سلاطین کی تلوار اور علماء کے قلم سے بھی زیادہ ہوئی ہے، ان کا خاص موضوع یہی ہے کہ نفوس کی تربیت اور اخلاق کا تزکیہ کیا جائے۔ ان کے یہاں بھی تربیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے جذب ہو، پھر سلوک، اسی کا نام مجذوب سالک رکھتے ہیں، بظاہر یہ طریقہ اقرب الی القرآن ہوگا۔

البتہ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ جہاں آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ کے ان چار مناصب میں سے تزکیہ کو کتاب وحکمت کی تعلیم کے

بعد سب سے آخر میں رکھا ہے۔ اس سے ایک تو اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اول و آخری مقصد تزکیہ ہے۔ دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ بقدرِ ضرورت تو تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے، مگر کامل تزکیہ کی نوبت علم کے بعد ہی آسکتی ہے، یعنی علم کے بعد عمل ہوگا اور علم ہی ذریعہ بنے گا عمل کا، گویا اس آیت میں تربیت کا دوسرا طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضرات صوفیہ کے یہاں سالک مجذوب کہلاتا ہے، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں، کسی کو تعلیم کے بعد بھی تزکیہ کی ضرورت رہتی ہے اور کسی کو تزکیہ کے بعد تعلیم کی حاجت ہوتی ہے، نہ تزکیہ کے مراتب ختم ہوتے ہیں، نہ تعلیم کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا منصب صرف تعلیم اور سمجھانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی تعمیل کرانا اور قوم کو ایک باعمل امت بنانا بھی تھا، جب تک آنحضرت ﷺ کے دیئے ہوئے نقشہ کی مطابق تعلیم وتربیت پر محنت نہیں ہوتی اور افراد کی اصلاح کے ذریعہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا، سیاسی محنت صحیح طریق پر بارآور نہیں ہوگی اور تمام قوتیں شر وفساد کی نذر ہوجائیں گی۔

اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست

دینی تربیت کے فقدان ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ تمام زعماء اور سیاسی لیڈر اسلامی خدمت کا اعلان فرمارہے ہیں اور ملک وملت کی صحیح نمائندگی کا دم بھرتے ہیں، یقیناً ان میں سے بعض حضرات مخلص بھی ہوں گے اور وہ اسلام کے نام کو محض اقتدارطلبی کے لیے استعمال نہیں کرتے ہوں گے، لیکن ان اسلامی نمائندوں کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جس اسلام کا ہم نام لیتے ہیں، اسی اسلام نے سیاست کے بھی کچھ آداب تجویز کیے ہیں اور بے ہنگم سیاست بازی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً موجودہ سیاست کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہے کہ ایک شخص اقتدارطلبی کے لیے کھڑا ہو، اپنی پارٹی بنائے، اپنا پروگرام قوم کے سامنے رکھے اور قوم سے اپیل کرے کہ اس کو ووٹ دے کر کرسی اقتدار پر فائز کیا جائے، اس کے بعد وہ جانے اور قوم کے مسائل۔

اب دیکھئے کہ اسلام اقتدارطلبی کے مزاج ہی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، اسلام اقتدار کی خواہش کو پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو آگے لائے جو: ''لَایُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۔'' (القصص:۸۳) ''جو نہیں چاہتے زمین میں اونچا ہونا اور نہ فساد۔'' کے معیار پر پورے اُتریں۔ آنحضرت ﷺ کسی ایسے شخص کو جو عہدہ کی درخواست لے کر آئے عہدہ نہیں دیتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کرکر کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو عہدے دیئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو عہدۂ قضاء کی پیش کش کی، انہوں نے انکار کیا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے باپ نے بھی تو قبول کیا تھا؟ عرض کیا: ان میں ہمت ہوگی، مجھ میں

نہیں۔ امیر المؤمنینؓ نے منت وسماجت کی، مگر ان کی معذرت غالب آ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت اچھا، مگر کسی اور کو نہ بتانا، ورنہ کوئی بھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جامع مسجد دہلی میں وعظ تھا جس میں ایک انگریز بہادر بھی موجود تھا، تقریر کے بعد اس نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کیوں جاتی رہی؟ کسی نے کچھ جواب دیا، کسی نے کچھ، اس نے کہا: میں بتاتا ہوں کہ اصلی وجہ یہ تھی کہ اس منصب کے اہل لوگوں نے اس سے گریز کیا اور نا اہل لوگ اوپر آ گئے اور یہی نا اہلی زوال سلطنت کا باعث بنی۔

مسلمانوں کی نمائندگی

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانۂ قحط الرجال میں جس میں انسانوں کی تو افراط ہے، مگر آدمی بہت کم ہیں، نہ اسلام کا معیاری معاشرہ ہے، نہ معیاری نمائندے مل سکتے ہیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ جو لوگ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ لے کر اُٹھیں، ان میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی، دینی شعائر کا احترام، اسلام کے ضابطۂ حیات پر کامل اذعان اور اسلامی اخلاق واعمال پائے جائیں، وہ قول کے سچے اور بات کے پکے ہوں، انہیں غریب مسلمانوں کے مسائل کی سمجھ بوجھ اور دینی احکام کا شعور ہو، ملت کے تمام افراد کے یکساں ہمدرد ہوں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں۔ گزشتہ بائیس سالہ تجربہ شاہد ہے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر اصلاح شدہ نمائندوں نے اسمبلیوں میں کیا گل کھلائے ہیں، اب پھر اسی قسم کے لوگوں کو آگے لانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس الیکشن اور اس کے بعد وجود میں آنے والے دستور سے جو توقعات وابستہ کی جارہی ہیں ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے ہو چکا ہے، یہ دستور سازی کا سارا وقت اکھاڑ پچھاڑ میں کھو دیں گے اور ۱۲۰/دن بعد کہا جائے گا کہ اسلامی دستور پر قوم کے نمائندے متفق نہیں ہو سکے، **لا فعل اللّٰہ ذٰلک**۔

جن لوگوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، دوبارہ ان ہی کا تجربہ کیے چلے جانا اور جن کی اسلامیت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے اور ان پر اعتماد کر لینا اس کا نتیجہ سوائے ندامت کے اور کیا ہوگا، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر چند کازمودم از وے نبود سودم
’’من جرب المجرب حلت به الندامة۔‘‘

’’میں نے ہر چند اُسے آزمایا، مگر مجھے اس سے کچھ نفع نہ پہنچا۔ جو شخص تجربہ شدہ کو آزماتا ہے اسے ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام ...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(اٹھارہویں قسط)

﴿ مکتوب:......۳۰ ﴾

استاذِ یگانہ وجلیل القدر، صدر المدرسین، مولانا سید محمد یوسف بنوری **حفظه الله ورعاه**

وعلیکم سلام اللہ ورحمتہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، آنجناب کی ایسی توصیف سے شرمندگی ہوتی ہے جس سے میں (کوسوں) دور ہوں، میری خدمات عاجزانہ ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے سیئات سے درگزر فرماتے ہوئے ان کا بیش گنا اجر مرحمت فرما دے، اور اللہ سبحانہ سے ہی دعا گو ہوں کہ آنجناب کے معزز ہاتھوں کامل طور پر علم کی نشأۃِ ثانیہ فرمائے، اور اللہ کے لیے یہ دشوار نہیں۔

آپ (قاہرہ میں) کسی کتب فروش سے رابطہ استوار کرنا چاہتے ہیں تو میری نگاہ میں استاذ سامی امین خانجی (پتہ: پوسٹ بکس نمبر: ۱۳۷۵، قاہرہ) سے بااعتماد کوئی نہیں، وہ (معاملات میں) دیگر کی بنسبت زیادہ صاف ستھرے ہیں اور جلدی معاملہ نمٹاتے ہیں، البتہ بازار میں مطلوبہ کتاب کی نایابی (یا کم یابی) کی بنا پر تاخیر ہوسکتی ہے۔ آپ مذکورہ پتے پر حسبِ منشا ان سے خط وکتابت کر سکتے ہیں۔ چھوٹے صندوقوں میں کتابیں بھیجنا تاخیر سے وصولی کا باعث ہے؛ اس لیے کہ ہندوستانی جہاز ہی ان کے لے جانے کے پابند ہیں، اور یہ جہاز کبھی کئی کئی ماہ لیٹ ہوجاتے ہیں۔ بذریعہ ڈاک ارسال کیے گئے پارسلوں کو بین الممالک لے جانے کے لیے سبھی جہاز پابند ہیں، اس بنا پر ان پارسلوں سے بھیجی گئی کتب سپردگی کے دن سے ایک ماہ کے لگ بھگ میں ہی پہنچ جاتی ہیں، اور دونوں کی اجرت میں معمولی فرق ہے، اب یہ معاملہ آپ کے اختیار میں ہے۔ (مذکورہ دونوں صورتوں میں سے جو چاہیں اختیار کرلیں)

کتابوں کے نرخ بھی برقرار نہیں رہتے، کتاب نادر (یا کم یاب) ہو تو اس کی قیمت غیر معمولی گراں ہو جاتی ہے، اور کبھی دست یاب ہی نہیں ہوتی۔ جن کتابوں کی (دوبارہ) چھپائی میں لمبی مدت لگتی ہو تو ان کے بہت سے اجزاء انتہائی مہنگے داموں کے بغیر ملنا دشوار ہوتے ہیں۔ جامعہ (اسلامیہ ڈابھیل کے کتب خانے) کے لیے ضروری کتب کا آپ کو زیادہ بہتر علم ہے۔ ''شرح **عمدة الحكام**''، ابن حزمؒ کی ''**المحلی**'' اور موفق کی ''**المغنی**'' وغیرہ کتابیں تو شاید آپ کے ہاں موجود ہوں گی، (بہتر ہوگا کہ) آپ کتابوں کی ایک جامع فہرست مرتب کریں، جو مطلوبہ کتاب بازار میں دست یاب ہوگی بھیج دی جائے گی، اور عدم دست یابی کی صورت میں بتا دیا جائے گا۔ استاذ سامی امین خانجی بیرون ملک معاملات کرتے ہیں، اور کتب کی خرید وفروخت کے لیے آستانہ (ترکی) وغیرہ شہروں کے اسفار بھی کرتے رہتے ہیں، لیکن مکتبہ خانجی کے امور کے ذمہ دار وہ نہیں، بلکہ مکتبہ ان کے بھائی نجیب کے زیرِ انتظام ہے، اور دونوں کے معاملات جدا جدا ہیں، مابین شرکت نہیں، بلکہ ہر ایک اپنا کام کرتا ہے، تجربے اور حسنِ معاملگی کی بنا پر میں استاذ سامی کو ترجیح دیتا ہوں۔

جو باربردار (سامان کی ترسیل کرنے والے) مختلف اطراف میں احباب کو میرے دیے ہوئے ساز وسامان کی ترسیل کرتے ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ آنجناب اور مولانا ابوالوفاء کو جو پارسل بھیجنے تھے، کسی جبری عذر کی بنا پر تا حال نہیں بھیجے جا سکے، انہی ایام میں وہ ارسال کر دیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ! ایک ماہ کے اندر آپ دونوں کو وہ پارسل موصول ہو جائیں گے۔

یکے بعد دیگرے کئی رسائل کی اشاعت کو شاید آپ میری چستی اور طاقت وری شمار کریں گے، حقیقت یہ ہے کہ اس اندیشہ سے جلد بازی سے کام لیا ہے کہ کیا خبر سرِ شام 'گلِ نرگس نہ رہے!

میں ہمیشہ آپ کی دعاؤں کا متمنی رہتا ہوں، توقع ہے کہ مولانا بجنوری و دیگر فاضل احباب کو میرا سلام پہنچائیں گے، ہمیشہ نیک نصیب اور باتوفیق رہیے!

قدسی [1] کی مطبوعہ کتابیں میں براہِ راست انہی سے طلب کرلوں گا (پتہ: میدانِ احمد ماہر پاشا، محلّہ جداوی، مکتبۃ القدسی نمبر: ۱) اس لیے کہ ان کی مطبوعات کے نرخ برقرار نہیں رہتے، بلکہ مستقل بڑھتے رہتے ہیں، اس حوالے سے ان کا مخصوص طریقہ کار ہے۔ [2]

کتابوں کے متعلق میرے اتنے اظہارِ رائے پر اکتفا کیجیے، اور اس حوالے سے مزید جو چاہت ہو استاذ سامی کو لکھیے، اللہ کے حکم سے ان کی جانب سے آپ کو جواب موصول ہو جائے گا۔

(دائرۃ المعارف) حیدرآباد اور مجلسِ علمی کی مطبوعات تبادلہ میں ارسال کر دینے سے دونوں ملکوں کی کرنسی کا مسئلہ آسان ہو جائے گا، اگر آپ (اپنے مکتوب میں) استاذ سامی سے مطلوبہ کتب

قیمتوں کے تبادلے کے ساتھ بھیجنے کا ذکر کردیں تو سودمند ہوگا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص: محمد زاہد کوثری

۴/ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۸ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴

پس نوشت: ہمارے ہاں ایسے بینک بھی موجود ہیں جن کی شاخیں بمبئی میں بھی ہیں، ان کے ذریعے (رقوم کی) سپردگی اور وصولی ہوسکتی ہے۔

حواشی

۱:- حسام الدین بن محمد شفیق بن محمد عارف قدسی: مخطوطات ومطبوعات کے تاجر، علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی پر بہت سی اہم کتابیں شائع کیں، موصوف ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۰ھ میں راہیِ سفرِ آخرت ہوئے۔

مزید حالات کے لیے دیکھیے: ''تاریخ علماء دمشق في القرن الرابع عشر'' محمد مطیع حافظ ونزار اباظہ (ج:۳،ص:۲۱۶-۲۱۸)، ''الأخبار التاريخية'' زکی مجاہد (ص:۸۶-۸۸)، ''مدخل إلى تاريخ نشر التراث العربي'' استاذ محمود طناحی (ص:۶۵-۶۸) اور ''ذيل الأعلام'' احمد علاونہ (ص:۶۵)۔

۲:- استاذ احمد علاونہ ابراہیم شبوح سے ناقل ہیں کہ موصوف جب اپنی کسی مطبوعہ کتاب کا ایک نسخہ فروخت کرتے تو اپنے پاس موجود مزید نسخوں کے ساتھ اس کی قیمت کا اضافہ کرلیتے، بایں طور اصل سرمایہ بلانقصان محفوظ رکھتے۔ شاید اسی بناپر علامہ کوثریؒ نے لکھا ہے کہ ان کی کتابوں کے نرخ مستقل بڑھتے رہتے ہیں۔

﴿ مکتوب:......۳۱ ﴾

بطرف مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوری حفظه الله ورعاه، ووفقه وإيانا لكل ما فيه رضاه (اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو اور ہمیں اپنی مرضیات کی توفیق بخشے)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کا والا نامہ موصول ہوا، جامعہ اسلامیہ (ڈابھیل) کی درسی کتب میں امام طحاویؒ کی کتاب (شرح معاني الآثار) اور ''موطأ محمد'' کی شمولیت پر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ آنجناب کو ہر بھلائی کی توفیق دے، اور آپ اور آپ کے فضلاء احباب کے کریمانہ ہاتھوں سے ہر نوع کی نشأۃ وارتقاء کی تکمیل فرمائے۔

میرے سردار استاذِ بزرگوار! آنجناب اس عاجز کو القاب کی جو خلعتیں پہناتے ہیں، وہ آپ کی اس محبت کا کرشمہ ہے، جس نے (میرے) عیوب سے چشم پوشی تک پہنچادیا ہے، اس محبت پر آپ کا شکرگزار ہوں، لیکن امید رکھتا ہوں کہ آپ دوبارہ یہ القاب نہ دہرائیں جن کا میں قطعاً مستحق نہیں۔

احمد موسیٰ میاں اپنے سفرِ حجاز کے دوران مجھ سے ملے تھے، ہمارے درمیان کوئی ترجمان نہ تھا، تقریبی بنیاد پر ہم نے افہام وتفہیم کی، ممکن ہے کہ حج کے بعد آپ کی طرف آجائیں، انہوں نے اس

برس مولانا (شبیر احمد) عثمانی کی حج کے لیے آمد کی خبر بھی دی، اور مولانا محمد موسیٰ میاں کی جانب سے دس گنیاں بطورِ ہدیہ لائے تھے۔ ''الإمتاع بسیرة الإمامین : الحسن بن زیاد ومحمد بن شجاع'' کی طباعت انہتر (۶۹) صفحات میں آج پوری ہوجائے گی، پہلی فرصت میں ہی آپ اور مولانا ابوالوفاء کو اس کے کچھ نسخے ارسال کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

عید الاضحیٰ مبارک کی مبارک باد دینے پر آپ کا شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ آپ اور تمام مسلمانوں پر بھلائی وسعادت کے ساتھ یہ دن بار بار لائے۔ فضلاء احباب کو سب کے لیے دعائے خیر کے ساتھ سلام، آپ سب کو نئے مبارک ہجری سال کی مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ اسے آپ لوگوں کے لیے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لیے عموماً بابرکت بنائے، اور علم کی خاطر آپ کو بقائے طویل عطا فرمائے۔

مخلص: محمد زاہد کوثری

۲۹رذوالحجہ سنہ ۱۳۶۸ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴، قاہرہ

﴿ مکتوب:......۳۲ ﴾

جناب اخی فی اللہ علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری حفظه الله

وعلیکم سلام اللہ ورحمتہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کا گرامی نامہ پہنچا، اور اپنی رونق وجمال اور انتہائی بلاغت کی بنا پر ممتاز قصیدے نے مجھے مدہوش کرڈالا، اگرچہ جن بلند معانی ومفاہیم پر وہ مشتمل ہے، میں اس کے عشرِ عشیر کا بھی اہل نہیں، اللہ تعالیٰ علم کے لیے آپ کو کامل صحت وعافیت کے ساتھ بقائے طویل عنایت فرمائے۔ آپ کے معزز خاندان کی صحت وعافیت لوٹ آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں، اسی سے ان کی دائمی صحت وعافیت کا متمنی! مجھے امید ہے کہ اپنے جلیل القدر والد محترم کو جب بھی خط لکھیں گے تو میری جانب سے احترامِ عظیم اور پُرخلوص سلام پہنچائیں گے، آں محترم سے مواقعِ قبولیت میں مبارک دعاؤں کا متمنی ہوں۔

میری خواہش ہے کہ جامعہ میں علمی ترقی کے اسباب میں تاخیر کی بنا پر آپ قلبی اضطراب کا شکار نہ ہوں، کہا جاتا ہے: ''الأمور مرهونة بأوقاتها '' (تمام امور اپنے متعین اوقات کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں) ہمارا فرض بس علمی ترقی کی کوشش کرتے رہنا ہے، توفیق اللہ سبحانہ کی جانب سے ملا کرتی ہے۔

میرے عزیز بھائی! مکرر توقع رکھتا ہوں کہ آنجناب امامت اور اس جیسے اوصاف کے ساتھ میرا ذکر نہ کیجیے، جن سے میں کوسوں دور ہوں؛ اس لیے کہ مجھے اس سے بے انتہا شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔

جامعہ کی درسی کتب میں ''معانی الآثار'' اور ''موطأ محمد'' کی شمولیت توفیقِ عظیم ہے، جس کے بڑے ثمرات (ظاہر) ہوں گے۔ آخر میں مواقعِ قبولیت میں آپ کی بابرکت دعاؤں کا امیدوار

ہوں میرے سردار استاذِ بزرگ تر!　　　　(آپ کے) بھائی کی جانب سے

محمد زاہد کوثری

محرم سنہ ۱۳۶۹ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴، قاہرہ

﴿ مکتوب:......۳۴ ﴾

عزیز تر و بزرگ تر بھائی، مولانا، علامہ یگانہ، سید محمد یوسف بنوری **حفظه الله وأمتع طلاب العلم بعلومه الزاخرة** (اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے وسیع علوم سے طلبائے علم کو مستفید فرمائے)

وعلیکم سلام اللہ ورحمتہ وبرکاتہ

بعد سلام! آنجناب کا والا نامہ، نہایت تکریم سے آپ کے لیے دعائے خیر کرتے ہوئے وصول کیا، آپ کی جانب سے اپنی کتب کی پسندیدگی کو میں اللہ جل شانہ کی خوشنودی کی علامت سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ قلم کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ میرے مطبوعہ رسائل کے نسخے مطلوب ہوں تو بتلا دیجیے گا، نہایت مسرت سے ارسال کروں گا۔ میرے سردار معزز بھائی! توقع رکھتا ہوں کہ اپنے والدِ جلیل کو جب بھی خط لکھیں تو میری جانب سے دست بوسی کے ساتھ ان کی بابرکت دعاؤں کی تمنا بھی لکھیے گا۔

آپ کے اخلاص میں بھلا کون شک کرے گا؟ آپ کی گوشت پوست میں تو نسل در نسل اخلاص بھرا پڑا ہے، لیکن (آپ کے) بلند پایہ تعریفی کلمات مجھے شرمسار اور قلبی تشویش میں مبتلا کردیتے ہیں، البتہ خاندانِ بنوری میں متوارث چلی آتی آنجناب کی اکسیر نگاہ مجھے بھلائی وخوشنودی کے درجات میں بتدریج آگے بڑھائے گی، ان شاء اللہ! ہمیشہ خیر وعافیت کے ساتھ باعزت وباتوفیق رہیے!

مولانا (شبیر احمد) عثمانی کی بیماری (کی خبر) سے میں بہت غمزدہ ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں شفاء عطا فرمائے کہ بیماری کا اثر نہ رہے، اور اللہ اپنے ارادوں پر قادر ہے۔ ہم کافی عرصے سے نہایت صبر کے ساتھ صحیح مسلم پر ان کی مفید شرح کی طباعت مکمل ہونے کے منتظر ہیں۔ اللہ سبحانہ قریبی فرصت میں ان کی صحت لوٹائے اور کتاب کی اشاعتِ عام کی توفیق بخشے۔

مولانا محمد شفیع دیوبندی کی جانب سے انہیں ''**فهارس البخاري**'' ارسال کرنے کی مناسبت سے ایک گرامی نامہ موصول ہوا تھا اور قریبی مدت میں ہی انہیں جواب لکھا ہے، تمام معزز بھائیوں کو میرا پُرخلوص سلام!　　　　مخلص: محمد زاہد کوثری

یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۶۹ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴

(جاری ہے)

.....❁.....❁.....❁.....

رحمۃٌ للعالمین ﷺ کی سیرت

رب العالمین کی زبانی

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دارالعلوم دیوبند، مقیم: ریاض سعودی عرب

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم الشان کلام ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔ خالقِ کائنات نے اپنے حبیب حضور اکرم ﷺ کو قرآن کریم میں عمومی طور پر ''یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ''، ''یَا أَیُّهَا الرَّسُوْلُ''، ''یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' اور ''یَا أَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ'' جیسی صفات سے خطاب فرمایا ہے، حالانکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے نام سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ صرف چار جگہوں پر اسم مبارک محمد اور ایک جگہ اسم مبارک احمد قرآن کریم میں آیا ہے۔

قرآن کریم میں چار جگہ حضور اکرم ﷺ کے نام ''محمد'' کا ذکر

''وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔''

''اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران:۱۴۴)

''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔''

''(مسلمانو!) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب:۴۰)

''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ کَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ۔'' (سورۃ محمد:۲)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اور ہر اُس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے، اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، اللہ نے ان کی برائیوں کو معاف کردیا ہے اور ان کی حالت سنوار دی ہے۔''

’’مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔‘‘ (سورۃ الفتح:۲۹)

’’محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔‘‘

قرآن کریم میں ایک جگہ حضور اکرم ﷺ کے نام ’’احمد‘‘ کا ذکر

’’وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰاةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔‘‘ (سورۃ الصف:۶)

’’اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: اے بنو اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اُس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ ہی میں حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق فرمادی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا عالی مقام ومرتبہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسا عظیم الشان مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی بشر، حتیٰ کہ نبی یا رسول بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

’’اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔‘‘ (سورۃ الم نشرح:۱-۴)

’’(اے پیغمبر!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اُتار دیا ہے، جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔‘‘

دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ہزاروں مسجدوں کے مناروں سے اللہ کی وحدانیت کی شہادت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت ہر وقت نہ دی جاتی ہو اور لاکھوں مسلمان نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجتے ہوں، غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کا نام نامی اس دنیا میں لکھا، بولا، پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ صاحبِ حوض کوثر

خالقِ کائنات نے صرف دنیا ہی میں نہیں، بلکہ آپ ﷺ کو حوضِ کوثر عطا فرما کر قیامت کے

روز بھی ایسے بلند و اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۔'' (سورۃ الکوثر: ۱-۳)

''(اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کردی ہے، لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو، یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے (یعنی جس کی نسل آگے نہ چلے گی)۔''

کوثر جنت کے اُس حوض کا نام ہے جو حضور اکرم ﷺ کے تصرف میں دی جائے گی اور آپ کی اُمت کے لوگ قیامت کے دن اس سے سیراب ہوں گے۔

حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زمین میں بلکہ آسمانوں پر بھی اپنے نبی کو بلند مقام سے نوازا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔'' (سورۃ الاحزاب: ۵۶)

''اللہ تعالیٰ نبی پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور فرشتے نبی کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود و سلام بھیجا کرو۔''

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے اس مقام کا بیان ہے جو آسمانوں میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر فرماتا ہے اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے۔ اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندیِ درجات کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجا کریں۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

کیسا عالی شان مقام حضور اکرم ﷺ کو ملا کہ آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔'' (سورۃ النجم: ۳-۴)

''اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔''

حضور اکرم ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کی فکر

حضور اکرم ﷺ لوگوں کی ہدایت کی اس قدر فکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔''

(اے پیغمبر!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کیے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے!۔'' (سورۃ الشعراء:۳)

ہمارے نبی کافروں اور مشرکوں کو ایمان میں داخل کرنے کی دن رات فکر فرماتے اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے۔

حضور اکرم ﷺ نبی رحمت بنا کر بھیجے گئے

رب العالمین نے اپنے نبی کو رحمۃٌ للمسلمین یا رحمۃٌ للعرب نہیں بنایا، بلکہ رحمۃٌ للعالمین بنایا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' (سورۃ الانبیاء:۱۰۷)

''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

جس نبی کو سارے جہاں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو، اس نبی کی تعلیمات میں دہشت گردی کیسے مل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے ہمیشہ امن وامان کو قائم کرنے کی ہی تعلیمات دی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں

آپ ﷺ نبی ہونے کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے جاری نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوگیا، یعنی اب کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔''

''(مسلمانو!) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب:۴۰)

حضور اکرم ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا

آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا، متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی عالمی رسالت کو بیان کیا ہے، یہاں صرف دو آیات پیش ہیں:

''قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ۔‘‘ (سورۃ الاعراف:۱۵۸)

’’(اے رسول! ان سے) کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لیے

چونکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی زندگی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنائی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے:

’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔‘‘ (سورۃ الاحزاب ۲۱)

’’حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے نمونہ ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی تمام سنتوں کو آج بھی زندہ کر رکھا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی اتباع

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے اُسوہ میں دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی مضمر رکھی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع کو لازم قرار دیا، فرمانِ الٰہی ہے:

’’قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔‘‘ (سورۃ آل عمران:۳۱)

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں اپنی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ ان سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو اور ارشادِ نبوی کی اطاعت کرو۔

قرآن کریم کے مفسرِ اول: حضور اکرم ﷺ

اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے:

’’وَأَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۔‘‘ (سورۃ النحل:۴۴)

’’یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل فرمایا گیا ہے، آپ اُسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس طرح کی دوسری آیات میں واضح طور پر بیان فرمادیا کہ قرآن کریم کے مفسرِ اول حضور اکرم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ آپ ﷺ اُمتِ مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ قرآن کریم کے احکام ومسائل بیان کرنے کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی۔ صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال یعنی حدیثِ نبوی کے ذخیرہ سے قرآن کریم کی پہلی اہم اور بنیادی تفسیر انتہائی قابل اعتماد ذرائع سے اُمتِ مسلمہ کو پہنچی ہے، لہٰذا قرآن فہمی حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تاریخ کا سب سے لمبا سفر حضور اکرم ﷺ کے نام

تاریخ کے سب سے لمبے سفر (اسراء ومعراج) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بیان فرمایا ہے، جس میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجدِ اقصیٰ کے سفر ’’سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی ‘‘ کو اسراء کہتے ہیں اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ نجم کی آیات میں بھی ہے اور ان میں وضاحت بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے (اس موقع پر) بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں: ’’لَقَدْ رَأٰی مِنْ أٰیٰاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کی نماز

اللہ تعالیٰ کا پیار بھرا خطاب حضور اکرم ﷺ سے ہے کہ آپ رات کے بڑے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کریں:

’’یٰـأَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ إِلَّا قَلِیْلاً نِّصْفَهٗ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً أَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً ۔‘‘ (سورۃ المزمل:۱-۴)

’’اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہوجایا کرو۔ رات کا آدھا حصہ یا آدھے سے کچھ کم، یا اُس سے کچھ زیادہ۔ اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔‘‘

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ رات کو قیام فرماتے، یعنی نماز تہجد ادا کرتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔(بخاری)

صرف ایک دو گھنٹے نماز پڑھنے سے پیروں میں ورم نہیں آتا، بلکہ رات کے ایک بڑے حصہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے، طویل رکوع اور سجدہ کرنے کی وجہ سے ورم آتا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران جیسی لمبی لمبی سورتیں آپ ﷺ ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور وہ بھی بہت اطمینان وسکون کے ساتھ۔

حضور اکرم ﷺ کے اخلاق

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے نبی ﷺ کے اخلاق کے متعلق فرماتا ہے: ''وَإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''......''اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔''(سورۃ القلم:۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا: ''کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ''، یعنی ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآنی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔''(صحیح بخاری وصحیح مسلم) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔''....''مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''(مسند احمد) ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حمیدہ کو پڑھیں اور ان کو اپنی زندگی میں لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

خلاصۂ کلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر کیا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔ ہم اپنے نبی ﷺ کے طریقہ پر اسی وقت زندگی گزار سکتے ہیں جب ہمیں اپنے نبی ﷺ کی سیرت معلوم ہو، لہٰذا ہم خود بھی سیرت کی کتابوں کو پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی سیرتِ نبوی پڑھانے کا اہتمام کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر زندگی گزارنے والا بنائے، آمین۔

.....❁.....❁.....❁.....

محبتِ رسول ﷺ!

جناب محمد ظفر اقبال
ریسرچ اسکالر شعبہ فلسفہ، جامعہ کراچی

یہ بات ہر شک وشبہے سے بالا ہے کہ محبت ایک مابعد الطبعی حقیقت اور وجدانی کیفیت ہے، اُسے منطقی اسلوب اور قانونی پیرائے میں سمویا اور سمجھایا نہیں جاسکتا۔ اس کی جامع ومانع تعریف ممکن نہیں، اس کی تعریف آپ اپنا وجود وصدور ہے، خواجہ یحییٰ بن معاذؒ کا ارشاد ہے:

''**المحبة حالة لایعبر عنها مقالة۔**''

ترجمہ: ''محبت ایک حال ہے، اس کی تعریف لفظوں میں ممکن نہیں۔''

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق دریائیست قعرش ناپدید

''عشق کا وصف کہنے سننے میں نہیں آتا، عشق ایسا سمندر ہے، جس کی گہرائی بے پایاں ہے۔''

تخلیقِ عالم کی اصل واساس عشق ومحبت پر ہے۔ ہر شئے کے قیام وبقا کا باعث کششِ عشق ہے۔ محبت کا مادہ انسان میں اسی روز ودیعت فرمادیا گیا تھا، جب روزِ ازل میں محبوبِ حقیقی نے اپنی صفاتِ عالیہ، یعنی جمال واحسان کا ظہور فرمایا تھا، انسان اسی خواہشِ ظہور کا فعال مظہر ہے۔ گویا محبت وجود کی اولین حرکت، زندگی کا نقطۂ آغاز اور ایسا ربانی فیضان ہے، جو صورت وحقیقت دونوں سطحوں پر وارد ہوکر، انسان کے تمام نقائص کا ازالہ کرکے اس مرتبۂ کمال تک پہنچاتی ہے، جو اُسے مظہرِ حق بننے کے لیے عطا کیا گیا ہے۔ تمام حرکت وعمل اسی حب اور عشق کا نتیجہ ہے اور دنیا کی ظاہری صورتیں اسی بے مثل حقیقت کا عکس:

جرعۂ مے ریخت ساقیِ اَلست
بر سر ایں خاک شدہ ہر ذرہ مست

''ساقیِ اَلست نے مے معرفت کا چھینٹا اس خاک پر ڈالا، جس سے اس کا ذرہ ذرہ مست اور سرشار ہوگیا۔''

پھر اس مشتِ خاک کو کارنامہ ہائے محبت کے لیے کرلیا گیا اور قلب ونظر کی دولت عطا کی گئی، تاکہ محبت کے تقاضے، ایمان واعمال دونوں سطحوں پر بہ تمام وکمال ظاہر ہوکر جذبۂ محبت کی صداقت ورفعت کا ثبوت پیش کرسکیں، جس میں مزید ترقی اور صعود‘ معرفت اور عشق کا حال پیدا کردے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حبِ الٰہی کو مومن کی پہچان اور ایمان کی جان قرار دیا ہے:

’’وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔‘‘ (البقرۃ:۱۶۵)

’’اور ایمان والے اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔‘‘

آیتِ مبارکہ سے پتا چلا کہ قرآن مجید کا بنیادی مقصد اور اساسی تصورِ تزکیہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، نہ کہ والہانہ اطاعت۔ اطاعت وتابع داری تو اس محبت کا لازمی ثمرہ ہوگی۔ محبت کی طلب اور رغبت کا اصول یہ ہے کہ عاشق محبوب کے دوامی لقاء کا متمنی ہوتا ہے، وصلِ محبوب اور مشاہدۂ مطلوب ہی اس کی دیرینہ آرزو اور اطمینان اور سکینت کا سامان ہوتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ محبوب کے انداز واطوار کو اختیار کرکے اپنی ذات کو محبوب کی صفات سے قائم کرلے اور بہ قدرِ محبت اس کے رنگ میں رنگین ہوجائے۔ بالفاظِ دیگر، محبوب کا مطاع ہونا محض ایک فطری ووجدانی امر نہیں، بلکہ محسوس ومشاہد بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پیکرِ محسوس نہیں ہے کہ اُسے دیکھ کر، سن کر اُس کی اطاعت واتباع کی جاسکے۔ سو اس فیاضِ ازل اور محبوبِ حقیقی نے بہ طورِ احسان وامتنان، اس اضطراب کے ازالے کے لیے اپنی محبت کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے مشروط فرمادیا ہے، اپنے رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کروایا:

’’قُلْ إِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔‘‘ (آل عمران:۳۱)

’’کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، خود اللہ تم سے محبت کرے گا۔‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ایمان کی اصل روح محبتِ الٰہی ہے اور اس محبت کی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی محبت جمع نہ ہونے پائے جو اس کی ضد ہو، بلکہ جو شئے محبوب سے تعلق میں حارج ہو، وہ عاشق کے دشمن کے زمرے میں داخل ہوجائے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے، ان کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ سے محبت کا واحد راستہ اتباعِ رسول (ﷺ) ہے۔ اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے تمہارا دعوائے محبت ہی سچا ثابت نہیں ہوگا، بلکہ تم خود محبوبِ الٰہی بن جاؤ گے۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ایک ہی راستہ ہے: اتباعِ رسول (ﷺ)۔ آپ ﷺ کی اتباع عین اتباعِ الٰہی ہے:

’’مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ۔‘‘ (النساء:۸۰)

’’جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

اتباعِ خداوندی کا تصور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کے بغیر محال اور ایک مجرد خیال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرشتوں کی گواہی ہے:

’’فمن أطاع محمداً ﷺ فقد أطاع اللّٰہ، ومن عصی محمداً ﷺ فقد عصی اللّٰہ ومحمد ﷺ فرق بین الناس۔‘‘ (الصحیح للبخاری، محمد بن اسماعیل البخاریؒ، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج:۲،ص:۱۰۸۱، لاہور: مکتبۃ الحسن س-ن)

’’جس نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی (اچھے اور برے) لوگوں کے درمیان معیارِ امتیاز ہے۔‘‘

اس لیے مدعیانِ محبتِ خداوندی کو اتباعِ نبوی (ﷺ) لازم ہے اور اتباعِ کامل چونکہ شدید محبت کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانِ صداقتِ ترجمان سے اعلان کروایا کہ ایمان‘ رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کا نام ہے کہ مال وعیال اور نفس وجاں تک اس محبوبِ جہاں کے سامنے حقیر وذلیل اور ہیچ وارزاں ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

’’لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس أجمعین۔‘‘

(الصحیح لمسلم، مسلم بن حجاج القشیریؒ، باب وجوب محبۃ رسول اللہ، ج:۱،ص:۴۹، کتاب الایمان، ملتان: دارالحدیث س-ن)

’’تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا، جب تک اس کو میری محبت اپنے والدین، بچوں اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔‘‘

جس دل کی زمین میں ایسی محبت کا بیج پڑا ہو، وہاں اس کے برگ وبار اور ثمرات کا احوال وکیفیات کی صورت میں ظہور پذیر ہونا ناگزیر ہے، کیونکہ بہ قول سیدنا حضرت عیسیٰ مسیح علیہ الصلاۃ والسلام: ’’درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔‘‘ ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’المرء علی دین خلیلہٖ فلینظر أحدکم من یخالل.‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح، ولی الدین الخطیب، ص:۴۲۷، قدیمی کتب خانہ کراچی، س-ن)

’’انسان اپنے دوست (محبوب) کے طور طریقے اپنا لیتا ہے، اس لیے ہر شخص اس کا خیال رکھے کہ کسے اپنا دوست بنا رہا ہے۔‘‘

اس فیاضِ ازل نے صاف بتلا دیا کہ میرا رسول ﷺ تمہارا رہبرِ کامل ہے، اس کی ذات ہر جہت میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے:

’’لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔‘‘ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: اور تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ (موجود) ہے۔‘‘

اس لیے زندگی کے ہر شعبے اور حیات کے ہر گوشے میں آنکھیں بند کرکے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے، کیونکہ آپ ﷺ کی اطاعت وغلامی ہی میں عین اطاعتِ الٰہی ہے۔ اسلام کی شانِ اعجاز ہی یہ ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو اظہار و اندازِ محبت کے تمام اسلوب اور طریقے خود ہی سکھا دیئے ہیں، تاکہ عقیدت ومحبت کا نذرانہ محبوب کے معیار کے مطابق اس کی بارگاہ میں پیش ہوکر شرفِ قبول پاسکے۔ اہلِ محبت کے لیے یہ دلیل مُقنع ہے کہ محبت مُستلزمِ اتباع ہے۔ محبت بلا اتباع ’دھوکا اور خام خیالی ہے، کیونکہ:

لو کان حبک صادقًا لأطعتَہٗ إن المحب لمن یحب مطیعٗ

’’اگر تیری محبت میں صداقت ہوتی تو تُو اپنے محبوب کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ محبّ محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔‘‘

اسی طرح اطاعت بلامحبت بھی اہلِ نظر اور صاحبانِ قلب کے نزدیک مرتبۂ کمال سے فروتر ہونے کے باعث مردود ومطرود ہے۔ بسا اوقات آدمی خارجی دباؤ کے زیرِ اثر جبراً اطاعت پر آمادہ ہوجاتا ہے، اس کے باطن میں تسلیم ورضا کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، جوں ہی اس دباؤ سے آزادی ملتی ہے، طبیعت پھر سے سرکشی اور بغاوت پر مائل ہوجاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر تنہا ایمان لانے کو کافی نہیں بتلایا، بلکہ آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم اور حمایت ونصرت کے ساتھ اتباع واطاعت بجالانے والوں کو دائمی فلاح کا مژدہ سنایا ہے:

’’فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ‘‘۔ (الاعراف:۱۵۷)

’’سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں، ان کی عزت وتکریم بجالاتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اُن کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

اطاعت واتباع کا داعیہ تو محبت وتکریم کے نتیجے میں ازخود پیدا ہوگا، کیونکہ محبوب کی اقتدا واتباع اہلِ عقل کے نزدیک مسلم ہے، اطاعت بلا محبت ’محض ضابطہ وقانون ہوتی ہے، حقیقی اطاعت واتباع نہیں۔ اصل چیز جو علامتِ ایمان اور مومن کی شناخت ہے، وہ ہے حب النبی ﷺ۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں ایک باب باندھا ہے: ’’**باب حب الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الإیمان**‘‘ .... ’’رسول اللہ ﷺ سے محبت جزوِ ایمان ہے۔‘‘ (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۶، طبع: مکتبۃ الحسن، لاہور)

اس محبت اور عشق کا معیار اہل السنّت کے پیشوا اور حنفیہ کے مایہ ناز مقتدا سیدنا ملا علی قاری علیہ الرحمۃ (متوفی: ۱۰۱۴ھ) یہ بیان فرماتے ہیں:

''علامة حب النبی (ﷺ) حب السنة ، وعلامة حب السنة حب الآخرة ، وعلامة حب الآخرة بغض الدنيا ، وعلامة بغض الدنيا أن لايأخذ منها إلا زادا يبلغه العقبىٰ۔''

(شرح عین العلم وزین الحلم، ج:۲،ص:۳۷۵،طبع: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ،مصر)

''حبِ رسول اللہ ﷺ کی علامت یہ ہے کہ سنت سے محبت ہو [یہ نہیں کہ بدعات کی رونق پر فریفتہ ہو] اور سنت سے محبت کی علامت آخرت کی محبت ہے اور آخرت کی محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض ہو اور بغضِ دنیا کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے فقط اتنا ہی لے کہ عقبیٰ تک پہنچنے کی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔''

ایمان بالرسالۃ کا مقتضا رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کرنا ہے کہ ایمان حال بن کر پورے وجود اور اس کے فعال عناصر، ذہن، ارادے اور طبیعت پر غالب ہوکر خیالات وخواہشات اور جذبات واحساسات میں ایسے رَچ بس جائے کہ:

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اس کے بعد ایک مومن ''سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا '' کا مکمل مظہر بن جاتا ہے،اس سے محویت واستغراق کے عالم میں بھی کوئی ایسا فعل ظہور میں نہیں آتا جو منافیِ شریعت ہو، کیونکہ اس کی مراد اور اس کا مقصود صرف محبوب اور منشائے محبوب ہے اور جب فقط محبوب ہی مقصود ومراد ہے تو اہلِ عشق اپنے اختیار سے دست کش ہوکر کامل سپردگی اور تفویض کی کیفیت میں زندگی گزار دیتے ہیں، جیسے: ''المیت بیدالغسال ۔'' حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عاشق خود را بر کار رومختار نبیند، بر کار معشوق را داند۔'' (فیہ مافیہ، ص:۱۰۰)

''عاشق اپنے آپ کو کسی کام پر مختار نہیں سمجھتا، بلکہ معشوق کو فعل کا مختار سمجھتا ہے۔''

عاشق کامل اپنے جذبات واحساسات کو پامال کرکے رضائے محبوب کا طالب ہوتا ہے، چاہے اس میں کیسی ہی کلفت ہو۔ محبت میں حدود ومحبت کا عدمِ لحاظ عارفین وعاشقین کے نزدیک دعوائے محبت کو باطل کردیتا ہے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فکرِ خود و رائے خود در عالمِ رندی نیست
کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

''رندی کی دنیا میں خود اپنی فکر اور اپنے اصول اور رائے کا دخل ممنوع ہے، اس مذہب میں خود بینی وخود رائی کفر ہے۔''

یہاں کا تو بس ایک اصول ہے:

لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی

’’مہربانی وہی ہے جو تو خیال کرے اور حکم وہی ہے جو تو دے۔‘‘

جہانِ عشق میں خود پسندی اور خودرائی کی کوئی گنجائش نہیں، خود وضعی کا رویہ انسان کو خودغرضی اور نفس پرستی کی بدترین کیفیات میں مبتلا کرکے خود پرست باور کراتا ہے، عاشق کا مذہب رضائے محبوب ہوتا ہے۔

خود کو محبوب کی رضا ومنشأ کے سپرد کردینے سے عاشق، صفتِ عشق کی تجلیات سے مستنیر ہوتا ہے، نفسِ مطمئنہ کے اکرام سے نوازا جاتا ہے اور ’’یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ‘‘ کی سعادت وبشارت کا مصداق بن جاتا ہے۔ ایسی شدید محبت اور کامل اطاعت کے آمیختے سے پروان چڑھنے والے مومنین کے معیاری ومنتہائی نمونے حضرات صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور کفر، گناہ، عصیان اور نافرمانی سے دوری وإغماض از حکم شریعت نہیں، از راہِ طبیعت حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جس دین کو اتمام کی سعادت اور رضا کی سند سے نوازا، اس دین کی اضافت صریح طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ہے: ’’اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ‘‘ .....ایمان ان کے دلوں کی طلب اور قلوب کی زینت بنادیا گیا تھا، انہی کو ’’أُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ‘‘ کا زریں تمغہ عنایت فرمایا گیا کہ رشد وہدایت ان ہی کے طریق میں منحصر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ’’ماأنا علیه وأصحابي‘‘ فرماکر ان کے طریقے کو نجات یافتہ لوگوں کا طریق قرار دیا اور قرآن نے اس سے روگردانی کرنے والوں کو ’’سبیل المنافقین‘‘ پر چلنے والا بتلایا۔ محبت واطاعت کی دنیا میں معیارِ حق صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے اقوال واعمال حجت، اتباع واجب اور اختلاف ونزاع میں تصفیے کی کلید ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی: ۳۲ھ) کا ارشاد ہے:

’’لایزال الناس صالحین متماسکین ما أتاھم العلم من أصحاب النبيؐ ومن أکابرھم، فإذا أتاھم من أصاغرھم ھلکوا۔‘‘

’’لوگ نیک اور اسلام پر قائم رہیں گے جب تک علم ان کے پاس اصحابِ رسول کی طرف سے اور اُن لوگوں کے اکابر کی طرف سے آئے گا، اور جب ان اصاغر سے اُبھرنے لگے (جو اوپر والوں سے علم نہیں لیتے) تو ہلاک ہوجائیں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے ایسا حقیقی اور والہانہ تعلق اور آپ ﷺ کی ایسی کامل محبت عطا فرمائے جو ہمارے اندر آپ ﷺ کی اتباع واطاعت کا داعیہ پیدا کردے، جو محبت کا جوہر اور عشق کا مقتضا ہے، آمین بجاہ النبي الأمین صلی اللہ علیه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

.....۞.....۞.....۞.....

دنیا وآخرت میں نجات کا ذریعہ

نبی کریم ﷺ کی تین نصائح

مفتی غلام مصطفیٰ رفیق
استاذ جامعہ ورفیق شعبہ مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، کئی احادیث آپ سے منقول ہیں، ترمذی شریف میں آپؓ سے ایک حدیث منقول ہے، اس میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

’’قُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ! مَا النَّجَاۃُ؟ قَالَ: أَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ۔‘‘ (سنن ترمذی، باب ماجاء فی حفظ اللسان)

میں نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بتلایئے کہ دنیا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ان کے سوال کے جواب میں تین چیزوں کی نصیحت فرمائی، تین باتوں کو نجات کا سبب بتلایا:

۱:- اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

۲:- تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے، یعنی اپنے گھر میں رہا کرو۔

۳:- اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں نجات کا ذریعہ اور سبب جن تین چیزوں کو بتلایا ہے، ان میں سے ہر ایک سے متعلق کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی نصیحت: زبان کو قابو میں رکھنا

نبی کریم ﷺ نے پہلی چیز جس کو نجات کا سبب بتلایا ہے، وہ ہے: ’’أَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ‘‘ ارشاد فرمایا: ’’اپنی زبان کو اپنے کنٹرول میں رکھنا۔‘‘ یعنی اپنی زبان کو ایسی چیزوں اور ایسی باتوں سے پاک رکھو جن باتوں میں کوئی خیر اور بھلائی نہ ہو، لایعنی گفتگو سے اپنی زبان کو بند رکھو۔

انسانی اعضاء میں سے زبان بڑی اہمیت رکھتی ہے، اسے علماء نے دودھاری تلوار قرار دیا ہے، یہ حق میں بھی چلتی ہے اور باطل میں بھی۔ انسان کی زبان زندوں پر بھی چلتی ہے اور کبھی مُردوں کو بھی نہیں بخشتی۔ اس لیے انسان جو بول اپنی زبان سے نکالے، سوچ سمجھ کر نکالے، ساتھ ساتھ اپنی گفتگو کے بارے میں یہ سوچ بھی رکھے کہ میرا کہا ہوا سب کچھ لکھا جا رہا ہے، مجھے اپنے ہر ہر بول کا حساب دینا ہوگا، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، کیا میں اس کا حساب دے سکتا ہوں؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ '' کہ انسان کی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہیں نکلتا جسے لکھنے کے لیے حاضر باش فرشتہ نگران موجود نہ ہو، یعنی میری اور آپ کی تمام تر گفتگو لکھی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے اس کے لیے مقرر کر رکھے ہیں، اس لیے ہمیں اپنی گفتگو میں، گپ شپ میں، ہنسی مذاق میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے، زبان سے غلط بول نکل جائے تو بندہ اللہ کے حضور صدقِ دل سے معافی مانگے اور آئندہ کے لیے اپنی زبان کو فضولیات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے عظیم محدث اور عالم تھے، ان کی دینِ اسلام پر استقامت بے مثل تھی، وقت کی تمام طاقتیں انہیں ان کے دینی موقف سے پیچھے نہ ہٹا سکیں، ان کا صبر بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال بنا۔ ان کے بارے میں سورۂ ق کی مذکورہ آیت کے تحت مفسرین نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں علیل تھے، بیمار تھے، اور عام طور پر بیماری میں انسان کراہتا ہے، کراہنے کی آواز منہ سے نکلتی ہے، جسے ہم آہ آہ کرنا کہتے ہیں، تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کراہ رہے تھے، حضرت طاووس رحمۃ اللہ علیہ بزرگ بھی ہیں اور محدث بھی ہیں، وہ اُن کے قریب تشریف فرما تھے، انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ: ''یکتب الملک کل شیء حتی الأنین '' یعنی فرشتے انسان کی زبان سے نکلا ہوا ہر کلام ہر لفظ لکھ لیتے ہیں، محفوظ کر لیتے ہیں، حتیٰ کہ مریض کا کراہنا بھی لکھ لیا جاتا ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ بات سنی تو: ''فلم یئن أحمد حتی مات رحمہ اللّٰہ '' یعنی ''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کراہنا بھی ختم کر دیا، یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔''

اس سے اندازہ لگائیں کہ یہ حضرات اپنی زبان کے معاملے میں کتنی احتیاط کرتے تھے، مباح باتیں بھی بلا ضرورت اپنی زبان سے نہیں نکالتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیماری اور مرض کی وجہ سے کراہنا بھی ختم کر دیا کہ کہیں اس پر قیامت میں پوچھ گچھ نہ ہو۔

فسادات کا ایک بڑا سبب

اگر ہم غور کریں تو ہمیں اکثر لڑائی، جھگڑوں اور فسادات کی بنیاد اور سبب انسانی زبان کی بے احتیاطی اور بے باکی نظر آئے گی۔ ہماری زبانیں آج بڑی بے احتیاط ہوچکی ہیں، جو کچھ ہماری زبانوں پر آتا ہے، ہم بولتے چلے جاتے ہیں، سوچتے بھی نہیں کہ ہماری یہ باتیں برائیوں کے پلڑے کو بھاری کرنے کا سبب بن رہی ہیں، ان پر قیامت میں ہماری سخت پکڑ ہوسکتی ہے اور ہماری غیرمحتاط باتیں ہمیں دوزخ کی آگ میں دھکیل سکتی ہیں۔

زبان کی بے احتیاطیوں کا نتیجہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! ’’أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ‘‘..... ’’مجھے ایسا عمل بتلا دیجیے جس کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہوسکوں اور جہنم سے دور کردیا جاؤں۔‘‘ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’لَقَدْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ أَمْرٍ عَظِيْمٍ‘‘..... ’’اے معاذ! تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے۔‘‘ پھر نبی کریم ﷺ نے انہیں عبادات بتلائیں کہ نماز کا اہتمام کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کی استطاعت ہوتو حج کرنا، شرک سے بچنا اور ساتھ ساتھ کچھ نفلی عبادات سے بھی آگاہ فرمایا۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’أَلاَ أُخْبِرُکَ بِمَلاکِ ذٰلِکَ کُلِّهٖ‘‘..... ’’اے معاذ! کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتلادوں جس پر گویا ان سب کا دارومدار ہے۔‘‘ یعنی ان عبادات کا مدار اس چیز پر ہے، جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ضرور وہ چیز بھی بتلا دیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور ارشاد فرمایا: ’’کُفَّ عَلَيْکَ هٰذَا‘‘..... ’’اس کو روکو۔‘‘ یعنی زبان کو قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بے احتیاط اور بے باک نہ ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ’’وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِهٖ‘‘..... ’’ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟‘‘ باز پُرس کی جائے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’ثَکِلَتْکَ أُمُّکَ يَا مُعَاذُ!‘‘..... ’’اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے۔‘‘ (عربی زبان کے محاورہ میں یہ کلمہ یہاں پیار ومحبت کے لیے ہے) ’’وَهَلْ يَکُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ إِلاَّ حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ‘‘ لوگوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل زیادہ تر ان کی زبانوں کی بے باکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی، یعنی آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں کی وجہ سے ہی ڈالے جائیں گے۔

اس حدیث کو سامنے رکھ کر ہم اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں کہ زبان سے سرزد ہونے والے

بڑے بڑے گناہ آج ہمارے درمیان وبا کی طرح پھیل چکے ہیں اور ان گناہوں سے بچنے والے لوگ نہایت ہی کم ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ

نبی کریم ﷺ سید الانبیاء والمرسلین ہیں، قیامت تک کے لیے آخری پیغمبر ہیں، رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی حاجت وضرورت تھی، اس لیے کہ آپ ﷺ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے مقتدیٰ اور پیشوا تھے، آپ ﷺ نے ساری انسانیت کو ہر لحاظ سے ہدایات دینی تھیں، اور اس ضرورت کے لیے آپ ﷺ بولنے میں کوئی کمی بھی نہیں فرماتے تھے، آپ ﷺ نے ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلائی اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق راہنمائی فراہم کی، اس کے باوجود آپ ﷺ کو دیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارشاد فرماتے ہیں: ''**کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طویل الصَّمت ولا یتکلم إلا فیما یرجوا ثوابہ**'' کہ ''نبی کریم ﷺ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے اور آپ ﷺ صرف وہی بات فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی، اس سے زبان کی احتیاط کا اندازہ لگائیں۔

زبان کی آفتیں

زبان کے ذریعہ ہم سے بے شمار گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان گناہوں میں غیبت، چغل خوری، گالم گلوچ، دوسرے مسلمانوں کو ایذاء رسانی شامل ہے، اس لیے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ'' اصل حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، یعنی مسلمان کی زبان غیبت، چغلی، بدگوئی اور فحش باتوں سے محفوظ رہے۔ یہاں زبان کو پہلے ذکر فرمایا اور ہاتھ کو بعد میں، علماء لکھتے ہیں: ''**قدم اللسان لأن التعرض بہ أسرع وقوعًا وأکثر**'' کہ زبان سے سرزد ہونے والی خطائیں جلدی بھی ہوتی ہیں اور اکثر بھی۔ عام طور پر دوسروں کو تکلیف دینے کے لیے انسان زبان کا استعمال زیادہ کرتا ہے اور جو شخص دوسروں کو ہاتھ سے تکلیف نہیں دے سکتا، وہ بھی زبان کے ذریعہ ایذاء پہنچاتا ہے۔

آج ہماری مجلسیں اور بیٹھکیں غیبت سے بھری ہوتی ہیں، ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ دوسروں کی غیبت کر کے ہم اپنے اعمال بھی ضائع کر رہے ہیں اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، یعنی غیبت کے گناہ ہونے کا احساس بھی ہمارے دلوں سے رخصت ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حالات پر رحم فرمائے اور ہمیں سمجھ نصیب فرمائے۔

حضرت داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ کا غیبت کی وجہ سے بے ہوش ہونا

ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام ابوسلیمان داؤد الطائیؒ ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں، یہ بڑا عجیب ذوق رکھتے تھے، ساری زندگی انتہائی زہد واستغناء کے ساتھ گزاری، روٹی کو پانی میں بھگو لیتے تھے، جب وہ گھل جاتی تو شربت کی طرح اسے پی لیتے اور فرماتے تھے: جتنے وقت میں میں ایک ایک لقمہ توڑ کر کھاؤں گا، اتنے عرصہ میں قرآن کریم کی پچاس آیتیں تلاوت کرسکتا ہوں، لہٰذا روٹی کھانے میں عمر کیوں ضائع کروں؟!

ایک دن ایک شخص ان کے پاس آئے اور نصیحت کرنے کی درخواست کی، حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''دیکھو کہ اللہ تمہیں اس جگہ نہ دیکھے جہاں کا اس نے تمہیں منع فرمایا ہے، اور جہاں کا تمہیں حکم دیا ہے، وہاں تمہیں غیر حاضر نہ پائے۔'' مختصر الفاظ میں کتنی عمدہ اور گہری بات فرمائی ہے۔

ان کے بارے میں بعض محدثین نے شروحاتِ حدیث میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ یہ ایک مرتبہ کسی جگہ سے گزر رہے تھے، یکدم وہاں بے ہوش ہوکر گر پڑے، انہیں اُٹھا کر ان کے گھر لے جایا گیا، جب بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو پوچھا گیا کہ اس جگہ آپ پر بے ہوشی کیوں طاری ہوئی اور آپ کیوں گر پڑے تھے؟

جواب میں انہوں نے کیا کہا؟ یہ سمجھنے کی بات ہے، ارشاد فرمایا: **''ذُكرتُ أني اغتبتُ رجلاً في هذا الموضع، فذكرت مطالبتهٗ إياي بين يدي اللّٰه تعالى''** جب میں اس جگہ پہنچا تو مجھے یاد آیا کہ اس مقام پر ایک مرتبہ کسی کی غیبت ہوگئی تھی، اور مجھے وہاں پہنچ کر یہ احساس پیدا ہوا کہ کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے مجھ سے اس بارے میں مطالبہ ہوا، حساب کتاب کیا گیا، مجھ سے پوچھا گیا تو میں کیا جواب دوں گا؟ اس محاسبہ اور اللہ کے سامنے پیشی کے خوف نے مجھے بے ہوش کردیا۔

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دعوت میں شریک ہونا

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، طویل واقعہ ہے کہ انہوں نے شہنشاہیت چھوڑ کر فقیری اختیار کرلی تھی اور اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے بن گئے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا، ضیافت کا اہتمام کیا گیا، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے اور بیٹھ گئے تو جو لوگ وہاں موجود تھے: **''أخذوا في الغيبة''** انہوں نے کسی کی غیبت شروع کردی، ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے احسن انداز میں انہیں سمجھایا، ارشاد فرمایا کہ: دیکھو: **''عندنا يؤكل اللحم بعد الخبز''** ہمارے ہاں پہلے لوگ روٹی کھاتے ہیں، پھر گوشت کھاتے ہیں، یعنی روٹی توڑ کر شوربے میں ڈالی، ثرید بنائی اور پھر بوٹیاں رکھ دیں، تو روٹی کے بعد لوگ گوشت

کھا لیتے ہیں اور تم لوگ ایسے ہو کہ: ''**وأنتم ابتدأتم بأكل اللحم ؟**'' تمہارے یہاں روٹی سے پہلے ہی گوشت خوری شروع ہوگئی، یعنی ابھی کھانا شروع بھی نہیں کیا اور گوشت کھانا شرع کر دیا، یعنی تم لوگوں نے دوسروں کی غیبت شروع کردی، ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا اشارہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف تھا کہ:

''**أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ**''

''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو۔''

یعنی غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے، لہٰذا جس طرح وہ تمہیں پسند نہیں، اسی طرح غیبت سے بھی اپنے آپ کو دور رکھو۔

نبی کریم ﷺ کی پہلی نصیحت کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ زبان اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اس کا بے جا استعمال نہ کیا جائے۔ ہر انسان اپنی زبان کو قابو میں رکھے اور بلاضرورت، لایعنی کلام، فضول گفتگو، گپ شپ سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہ نجات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور فسادات، لڑائی اور جھگڑوں سے بچنے کے وسائل میں سے ایک اہم وسیلہ ہے۔

دوسری نصیحت: اپنے گھر میں رہنا

سرکارِ دو عالم ﷺ نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ: ''**وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ**'' تمہارے گھر میں تمہارے لیے گنجائش ہونی چاہیے، تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے، یعنی بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کی بجائے یکسوئی کے ساتھ اپنے گھر میں رہا کرو، اور اپنے گھر میں رہنے کو اپنے لیے غنیمت جانو، اس لیے کہ یکسوئی کے ساتھ گھر میں رہنا، بہت سارے فتنوں، فسادات اور برائیوں سے نجات پانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔ جب انسان کا گھر سے باہر کوئی دینی یا دنیاوی کام نہ ہو، کوئی ضرورت اور حاجت نہ ہو تو اب بلاضرورت گھر سے باہر رہنا، بلاضرورت گھومتے پھرتے رہنا، یہ شریعت میں پسندیدہ عمل نہیں ہے، البتہ کسی کے جنازے میں شریک ہونا، عیادت کے لیے جانا، دینی محافل مجالس میں شریک ہونا، یہ چیزیں انسان کے لیے مفید اور باعث اجر وثواب ہیں، مطلقاً بلاکسی ضرورت اور حاجت کے گھومنا پھرنا اس کو اچھا نہیں سمجھا گیا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، یہ اور اُن کے صاحبزادے سائب ان افراد میں شامل ہیں جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، اور یہ مہاجرین میں سے پہلے صحابیؓ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں سن ۲ ہجری میں وفات پائی تھی، اور ان کا یہ اعزاز ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ان کی نعش مبارک کو بوسہ دیا تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے چند سوالات کیے، ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ: اے اللہ کے رسول! ''ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ ''یعنی''ہمیں سیر وسیاحت کی اجازت عنایت فرمایئے۔گھومنے پھرنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:''إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔''یعنی''میری امت کے لیے سیر وسیاحت یہی ہے کہ: اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے۔''

دیکھیے! اس حدیث میں آپ ﷺ نے بغیر کسی منفعت کے سیر وسیاحت کرنے کی اجازت عنایت نہیں فرمائی، بلکہ اس سے منع فرمایا، کیونکہ زمین پر گھومنا پھرنا اور دور دراز کا سفر اختیار کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں مطلوب ومحمود ہے۔محض سیر وسیاحت کی خاطر خواہ مخواہ دنیا کے چکر کاٹنا، جیسا کہ بعض فقیر قسم کے لوگ کرتے ہیں، عقلمندی کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی اُخروی منفعت و بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ بلاضرورت گھر سے باہر رہنے اور گھومنے پھرنے سے بہت سارے گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، خاص کر فتنے کے زمانے میں گھر میں رہنا انسان کے لیے فتنوں اور پریشانیوں سے بچاؤ کی بہترین تدبیر ہے۔فضول کی محافل اور مجلسیں لگانا اور ان میں دوسروں کی غیبت اور تبصروں میں مشغول ہونا اپنی زندگی کے قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے۔

دوسری نصیحت میں ہمیں یہی بتایا گیا ہے کہ بری محافل، مجالس اور غلط دوستی، اور صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھیں، باہر گھومنے پھرنے کی بہ نسبت اپنے گھر میں رہنا اسی میں عافیت ہے۔بعض دوستیاں اور تعلقات انسان کو حق سے دور کر دیتے ہیں اور انسان قیامت کے دن ایسے برے لوگوں کی دوستی پر افسوس اور ندامت کرے گا، مگر اس دن کی ندامت انسان کو نجات نہیں دلا سکے گی۔سورۂ فرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً يَا وَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلاً۔'' (الفرقان:۲۷،۲۸)

''اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا گناہ گار اپنے ہاتھوں کو، کہے گا: اے کاش! میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔ہائے افسوس! کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہیے، اس لیے کہ اچھی صحبت سے انسان اچھا اور بری صحبت سے انسان برا بنتا ہے۔اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبتِ بد کا اختیار کرنا ہی ہے۔اس لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید

اور بری صحبت سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

تیسری نصیحت: اپنی خطاؤں اور گناہوں پر رونا

نبی کریم ﷺ نے تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ: ’’وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ‘‘ یعنی اپنی خطاؤں، اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر اللہ کے حضور شرمسار ہوکر گڑگڑاؤ، اشک بہایا کرو، رویا کرو۔

احساسِ ندامت اور خوفِ خدا میں بہنے والے آنسو اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں۔ مومن آدمی جتنا اشکِ ندامت گراتا ہے، اتنا ہی اللہ کے ہاں محبوب بنتا چلا جاتا ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث قدسی نقل کی ہے، یعنی اللہ رب العالمین کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: ’’لَأَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ‘‘ کہ گناہگاروں کا رونا، احساسِ گناہ میں آنسو بہانا، اللہ کے سامنے عاجزی کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کو تسبیح خوانوں کی آواز سے زیادہ پسندیدہ ہے، اس لیے ہمیں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔

کہمَس بن حسن قیسی رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس برس تک رونا

حضرت کہمَس بن حسن قیسی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں ایک بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں، حدیث کی کتابوں میں ان کی سند سے کئی روایات بھی موجود ہیں، وہ مشہور روایت جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شب قدر کی دعا سکھائی ہے: ’’**اللّٰھم إنک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی**‘‘ یہ روایت ان ہی کی سند سے ترمذی شریف میں منقول ہے۔ ۱۴۹ ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ انہوں نے اپنی والدہ کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کی سوانح میں لکھا ہے کہ جب ٹھنڈا پانی پیتے تو یہ ایک نعمت بھی ان کے نزدیک اتنی بڑی قیمت رکھتی تھی کہ ٹھنڈا پانی پی کر اس کے بدلے میں، صلے میں آنسو بہایا کرتے تھے، کہ: اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ٹھنڈے پانی کی نعمت عطا کی۔

ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک معمولی غلطی پر چالیس سال تک آنسو بہاتے رہے۔ ایک دن یہ بیٹھے ہوئے ایک دوسرے بزرگ ابوسلمہؒ کے سامنے اپنے گناہوں کا شکوہ کرنے لگے، اور کہنے لگے: میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس پر چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ ابوسلمہؒ نے یہ بات سنی تو حیران ہوئے اور پوچھا: ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا ہے؟ کہمسؒ کہنے لگے: ایک دن میرے بھائی مجھ سے ملنے آئے، میں نے ایک دینار کی مچھلی خریدی، چنانچہ میرے بھائی نے وہ مچھلی کھائی، میں نے اُٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا اُٹھالیا، تاکہ وہ اس سے ہاتھ پونچھ لے، صاف کرلے۔ اس مٹی کے ٹکڑے کے اُٹھانے پر میں چالیس سال سے رو رہا ہوں، کیوں کہ وہ ٹکڑا میں نے

اپنے پڑوسی کی اجازت اور اس کے علم میں لائے بغیر اُٹھالیا تھا۔ اللہ اکبر! کیسا احساس اور کیسا خدا کا خوف ان کے دلوں میں رچا بسا تھا، اور آخرت کا محاسبہ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا، چڑھتے سورج کی طرح حساب کتاب اور پوچھ گچھ پر یقین واعتقاد تھا۔

ترمذی شریف میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے، آپ نے فرمایا: ''لا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَکٰی مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ۔'' یعنی ''اس آدمی کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جو اللہ کے خوف سے روتا ہو۔''

نیز ایک طویل روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِی ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّہٗ'' کہ ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سائے میں رکھے گا جس روز اللہ کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔'' ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دامن رحمت میں جگہ دے گا اور انہیں آخرت کی سختیوں سے بچائے گا۔ قیامت کے روز جب کہ تمام لوگ پریشان وحیران ہوں گے تو یہ سات قسم کے لوگ عرش کے سائے میں رحمتِ الٰہی کی نعمت میں آرام وسکون سے ہوں گے۔ ان سات آدمیوں میں ایک وہ آدمی بھی شامل ہے جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا خوفِ خدا میں رونا

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تابعی ہیں، ائمہ حدیث میں سے ہیں، اللہ کے خوف اور خشیت سے بہت کثرت کے ساتھ رویا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی آنکھیں دکھنے لگیں، طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کرلو، آنکھ اچھی ہوجائے گی، اور وہ بات یہ ہے کہ رویا نہ کرو۔ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے طبیب کی یہ بات سنی تو فرمایا: ''فَمَا خَیْرُھُمَا إِذَا لَمْ یَبْکِیَا۔'' اس آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں، اگر وہ روئے نہیں، وہ آنکھ ہی کیا جو اللہ کے خوف سے نہ روئے۔

حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی خطاؤں پر رویا کرے، اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی شکل ہی بنالیا کرے، بتکلف رونے کی کوشش کیا کرے، اس سے دل کی سختی دور ہوتی ہے۔ آنکھوں کا خشک رہنا، جامد رہنا، آنکھوں سے اللہ کی یاد میں آنسوؤں کا نہ بہنا، یہ اچھی علامت نہیں ہے، ایک حدیث مبارکہ میں اس کو بدبختی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصیحتوں پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

طائف کا مظلوم مبلغ (ﷺ)

مولانا محمد غیاث الدین حسامی
فاضل جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد دکن، انڈیا

دعوتِ دین اور اشاعتِ اسلام ایک اہم فریضہ ہے، اُمتِ محمدیہ کی فلاح وکامیابی اسی میں مضمر اور پوشیدہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اُمتِ مرحومہ نے اس فریضہ کو بحسن وخوبی ادا کیا، کامیابی وکامرانی ان کی حلیف رہی، عروج واقبال مندی ان کے ہم آغوش رہی، اور جب بھی اُمتِ مرحومہ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں سستی اور سہل انگاری کا مظاہرہ کیا، ذلت ونا کامی کی عمیق کھائیوں میں جا گری، شکستہ مائی اور زبوں طالعی اس کا مقدر ہوئی۔

دین کی دعوت اور اسلام کی نشر واشاعت کے لیے مسلسل جدوجہد اور پیہم قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے، جب تک اس مہتم بالشان عمل کے لیے قربانی نہیں دی جائے گی، یہ عمل مطلوبہ حد تک نتیجہ خیز اور بارآور ثابت نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی اُمت کے لیے مشعلِ راہ ہے، آپ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم پہلو بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی مقصد دین کی دعوت اور پیامِ حق کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا، آپ ﷺ نے اس عمل کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں؟ اور اس راہ میں کتنی مشقتیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں، اس کے لیے طائف کا دعوتی سفر ہمارے لیے انمول اور قابلِ تقلید ہے۔

نبوت کا دسواں سال جس کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے، اسی سال ہمارے پیارے نبی ﷺ کے مشفق چچا ابوطالب اور وفا شعار رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا، چچا ابوطالب کے انتقال پر آپ ﷺ بہت زیادہ مغموم ہوئے، کیونکہ ابوطالب کفارِ مکہ کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کا دفاع کررہے تھے، ایک تو ظاہری اسباب کے دائرہ میں چچا ابوطالب کی حمایت ومدد اُن کے انتقال کے وجہ سے ختم ہوچکی تھی، دوسرے چچا ابوطالب کا انتقال کفر پر ہوا، اس کا بھی آپ ﷺ کو بہت قلق تھا، پھر تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو نہ صرف آپ ﷺ کی بیوی

تھیں، بلکہ حق کی آواز، سب سے پہلے لبیک کہنے والی اور گلشنِ اسلام کی پہلی کلی تھیں، جب کبھی آپ ﷺ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی سے ملولِ خاطر ہوتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی غمگسار ہوتیں اور آپ ﷺ کو تسلی دیتیں۔ ان دونوں شخصیات کی وفات کے ساتھ ہی کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کا بادل آپ ﷺ پر پیہم برسنے لگا، طاغوتی طاقتوں نے مکر و فریب کے ترکش خالی کرنا شروع کردیے، قریش کا یہ غیر انسانی اور بہیمانہ سلوک نہ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ تھا، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک روا رکھتے تھے، ان میں آپ ﷺ کا چچا ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل، حکم ابن ابی العاص، عقبہ ابن ابی معیط اور اس کے ساتھیوں نے دوسروں کے مقابلے بہت زیادہ ایذاء و تکلیف پہنچائی۔

ابولہب آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ ہر لمحہ آپ ﷺ کو تکلیف دینے کے درپے رہتا، موسم حج ہو یا مکہ کا بازار جہاں بھی آپ ﷺ کو دین کی تبلیغ کرتے ہوئے پاتا آپ ﷺ کو پیچھے سے آواز لگاتا اور کہتا کہ: لوگو! یہ شخص بد دین اور جھوٹا ہے، اس کی باتوں میں مت آؤ، اور دوسروں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، چنانچہ قریش آوارہ لڑکوں اور اپنے اوباش غلاموں کو آپ ﷺ کے راستے پر بٹھا دیتے اور جب آپ ﷺ اس راستے سے گزرتے تو سب آپ ﷺ کے پیچھے لگ جاتے، آپ ﷺ کا مذاق اُڑاتے، آپ ﷺ پر طعنے کستے، ان ہی حالات کی وجہ سے مکہ کی سرزمین آپ ﷺ پر تنگ ہوگئی، آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ نبوت کا بادل پیہم برس رہا ہے، لیکن مکہ کی سرزمین بنجر اور غیر صالح ثابت ہورہی ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا جو آبادی اور خوشحالی کے اعتبار سے مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا، جیسے مکہ ہبل کی عبادت کا مرکز تھا تو طائف میں لات کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔

خاندانِ بنو ہاشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں، چند قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا ہے، مکہ کے اہلِ ثروت تجارت اور گرمیاں گزارنے طائف آیا کرتے تھے۔ زرخیز زمین، خوبصورت موسم اور باغات کی کثرت کی وجہ سے یہاں کے باشندے کافی خوش حال تھے، مگر رسول اللہ ﷺ نے یہ سفر نہ وہاں کے باشندوں کی خوش حالی اور زرخیزی سے متاثر ہوکر کیا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اپنے ننھیالی رشتہ داروں سے ملنے اور خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہونے آئے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے یہ سفر پیدل چلتے ہوئے خالص توحید کے پیام کو عام کرنے اور انسانیت کو کفر و شرک کے ظلمات سے نکال کر ایمان و یقین کے روشنی سے منور کرنے کے لیے کیا تھا اور اس اُمید سے آئے تھے کہ یہاں کے لوگ پیامِ توحید قبول کرلیں اور آپ ﷺ کو محفوظ ٹھکانہ دے دیں، مگر طائف والوں نے

آپ ﷺ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی اہلِ مکہ کو بھی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

طائف کا دن آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کی زندگی میں اُحد سے بھی زیادہ سخت ترین دن کوئی گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں عائشہ! طائف کا دن بڑا سخت ترین دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو وہاں کے سرداروں کے سامنے پیش کیا تھا۔

طائف مکہ مکرمہ سے ۱۲۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر مشرقی جانب اور سطح سمندر سے تقریباً ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اس سفر میں آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ رکھا۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے جب وہاں کے سرداروں سے آپ ﷺ نے ملاقات کی جو آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار بھی تھے، ان دنوں طائف میں عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکے عبد یالیل، مسعود اور حبیب بنوثقیف کے سردار تھے، آپ ﷺ نے مذکورہ بالا تینوں سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور اپنی مدد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے مسلسل دس دن وہاں قیام کرکے ان کو سمجھانے کی پوری کوشش کی، کفر وشرک چھوڑ کر ایمان کی طرف آنے کی دعوت دی، لیکن ان تینوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا۔

ایک نے کہا: تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہ ملا جسے نبی بناتا؟ دوسرے نے کہا: کعبۃ اللہ کی اس سے بڑی اور کیا توہین ہوگی کہ تم سا شخص پیغمبر ہو؟ تیسرا بولا: میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا، اگر تم سچے ہو تو تم سے گفتگو خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹے ہو تو گفتگو کے قابل نہیں۔ مذکورہ سرداروں نے نہ صرف ہدایت کو قبول نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کو یہ حکم بھی دیا کہ بہت جلد آپ یہ بستی چھوڑ دیں۔ ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بدمعاشوں اور اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگادیا کہ وہ آپ ﷺ کا مذاق اُڑائیں، چنانچہ انہوں نے راستہ سے گزرتے وقت آپ ﷺ پر پتھر مارنے شروع کردیئے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ان پتھروں کے لیے سپر بن جاتے، یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا، حضور ﷺ کا جسم لہولہان ہوگیا اور آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ ﷺ زخموں سے چور ہوکر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کردیتے اور پھر آپ ﷺ جب چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے، پتھروں کے برسانے سے آپ ﷺ کو بہت چوٹیں آئیں اور آپ ﷺ زخموں سے بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر آبادی سے باہر عتبہ اور شیبہ کے باغ میں

لے آئے، عتبہ اور شیبہ باوجود کفر پر قائم ہونے کے شریف الطبع اور نیک نفس تھے، اس باغ میں بیٹھ کر آپ ﷺ نے دعا فرمائی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے، اس دعا کا ایک ایک فقرہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدیت اور تواضع وانکساری کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور سوز وگداز اور درد وکرب کے عطر میں بسا ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طائف کے لوگوں نے آپ ﷺ سے جو بدسلوکی کی اور بدتمیزی کی اس کی وجہ سے آپ ﷺ کس قدر مغموم اور رنجیدہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بارالٰہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں، یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالہ کررہا ہے؟ کیا کسی بے گانہ کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنادیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے، میں تیرے چہرہ کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا وآخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو، تیری رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو خوش ہوجائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

عتبہ اور شیبہ کے اسی باغ میں عداس رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص نے آپ ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا، وہ آپ ﷺ کے پاس کچھ انگور لے کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیئے، آپ ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر انگور کھانے لگے تو عداس حیرت سے آپ ﷺ کی صورت دیکھنے لگا، آپ ﷺ نے پوچھا: تم کہاں کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا کہ: وہ عیسائی ہے اور نینویٰ کا رہنے والا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس صالح انسان کی بستی کے ہو جن کا نام یونس بن متی علیہ السلام تھا؟ عداس نے پوچھا کہ آپ کس طرح انہیں جانتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ: وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، عداس نے آپ ﷺ کا نام پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''محمد'' تب عداس نے کہا کہ: میں نے توریت میں آپ کا اسمِ مبارک دیکھا ہے اور آپ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں، اس کے بعد اس نے کہا کہ: میں ایک عرصہ سے یہاں آپ کے انتظار میں ہوں، مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے، آپ ﷺ کے اسلام پیش فرمانے پر وہ فوری مسلمان ہوگیا اور جھک کر حضور ﷺ کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔

طائف کے اس سفر میں بہت سی باتیں قابلِ توجہ اور لائق تقلید ہیں، پہلی یہ کہ آپ ﷺ لوگوں

کی ہدایت کے لیے بہت فکرمند اور بے چین رہا کرتے تھے، مکہ کے مشرکین نے جب دینِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو آپ ﷺ نے طائف کے لوگوں کو سمجھانے کے لیے وہاں کا سفر کیا، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ ﷺ اُمت کے ہر فردِ بشر کو اسلام کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے اسی درد اور جذبہ کو قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا: ''شاید اے محمد! آپ تو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان کھودیں گے۔'' (الشعراء:۳)

سفرِ طائف سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دشمنوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ بہت بہتر تھا اور آپ ﷺ کے اخلاق بہت اعلیٰ تھے، اور اسی اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آپ ﷺ طائف کے سرداروں اور لوگوں سے ملے اور ان کے نازیبا سلوک کے باوجود اپنے عالی اخلاق کو پیش کیا، اور اُمت کو بھی یہ تعلیم دی کہ دعوت وتبلیغ کے لیے داعی کے اندر عمدہ اخلاق اور صبر وتحمل کا ہونا ضروری ہے۔ نبی ﷺ کے انہی اخلاق کو قرآن مجید میں اخلاقِ عظیمہ کہا گیا اور اسی کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

اس سفر میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ رہے، خوشی ہو یا غم، راحت ہو یا مصیبت، ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا کامیاب انسان کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کے سفر میں یہی کام کیا، جب طائف والوں نے آپ ﷺ کو سخت ترین تکلیفیں دیں آپ ﷺ کا پورا جسم لہولہان ہوگیا، اس وقت بھی آپ ﷺ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ ہی سے مدد کے طلب گار ہوئے۔

واقعۂ طائف میں ایک بات جو سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ ہے وہ آپ ﷺ کا عفو و درگزر ہے، بے انتہا تکلیف دینے والوں کو آپ ﷺ نے معاف کردیا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کا فرشتہ بھی بھیج دیا تھا اور آپ ﷺ کی اجازت کی ضرورت تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے کہا کہ: اے جبرئیل! ان کو عذاب میں مبتلا مت کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوجائیں جو میرے دین کو ماننے والے ہوں گے، اسی عفو ودرگزر اور صبر وتحمل کا نتیجہ تھا کہ چند ہی سالوں میں طائف کے لوگ ایمان سے مشرف ہوئے۔

اس سفر میں آپ ﷺ تمام تر مصائب وتکالیف کے باوجود تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے، جس بستی سے گزرتے، وہاں کے باشندوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں کام کرنے والے شخص عداس نے ایمان قبول کیا۔ علماء نے لکھا کہ عداس رضی اللہ عنہ کا ایمان قبول کرنا اس سفر کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

جڑی بوٹیوں اور قدرتی معدنیات کا حکم!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیانِ شرع اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقے میں قدرتی معدنیات، قیمتی پتھر، جڑی بوٹی اور درخت وغیرہ عام ہیں۔ یہ پسماندہ علاقہ ہے، لوگوں کے لیے ذریعۂ معاش اور محنت مزدوری کے ایسے ذرائع میسر نہیں، جس سے لوگ اپنی زندگی کی ضروریات پوری کریں۔ اس صورت میں لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی کو ان جڑی بوٹیوں کے ذریعے اور بعض لوگ معدنیات کے ذریعے پوری کرتے ہیں۔

لکڑی وغیرہ کو اپنے رہنے کے لیے مکانات اور کھانے پکانے کے لیے بالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ متبادل ایسا کوئی نظام موجود نہیں جس سے لوگ اپنے لیے مکانات اور بالن کا ذریعہ بنالیں اور نہ ہی حکومت کی طرف سے کوئی ایسے متبادل وسائل میسر ہیں، جن کے ذریعے لوگ ان چیزوں سے پرہیز کریں۔ اگر لوگ لکڑیوں سے مکان بنانا ترک کردیں تو زندہ رہنے کے لیے کوئی دوسرا وسیلہ نہیں، جب کہ حکومت کی طرف سے مذکورہ وسائل پر بھی پابندی اور ٹیکس عائد ہے، جس کی بنا پر لوگ محکمہ جنگلات کے اہلکاروں سے چھپ کر جڑی بوٹی کی نکاسی اور اسے مارکیٹ تک پہنچاتے ہیں، جبکہ راستے میں چیکنگ کے دوران سیکورٹی اہلکاروں کو کچھ دے کر اپنے مال کو مارکیٹ تک پہنچاتے ہیں۔ اس صورت حال میں سوال یہ ہے کہ مذکورہ معدنیات، جڑی بوٹی اور لکڑی وغیرہ کو استعمال کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا عوام اپنی مدد آپ ان چیزوں کے استعمال کا حق رکھتی ہے یا کہ نہیں؟ اگر حق رکھتی ہے تو کس حد تک؟ کیا اس طرح چھپ کر جڑی بوٹی کی نکاسی اور خرید وفروخت جائز ہے یا کہ نہیں؟ نیز مذکورہ اشیاء پر حکومتی ٹیکس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: معاویہ کشمیری، آزاد کشمیر

الجواب باسمہٖ تعالٰی

واضح رہے کہ قدرتی جنگلات، نباتات (جڑی بوٹیاں) اور جملہ قیمتی معدنیات وغیرہ زمین کے اجزاء شمار ہوتے ہیں، اس لیے یہ اشیاء فقہی اصطلاح میں مباحاتِ اصلیہ کہلاتی ہیں، یعنی اپنی اصل، طبع اور وضع کے اعتبار سے کسی کی ملکیت شمار نہیں ہوتیں۔ ایسی مباحات کا شرعی حکم صاف واضح ہے کہ جو انسان اپنی محنت اور کوشش سے ان مباح اشیاء تک رسائی پالے، وہی ان اشیاء کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس حقداری کا مدار شریعت نے انسان کی اپنی کوشش کو قرار دیا ہے۔(۱) اس سے لازمی طور پر دو باتیں عیاں ہوتی ہیں:

ا:- قدرتی جنگلات کی لکڑیوں کے ضروری حصول اور نباتاتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی معدنیات کی دریافت کے لیے کوشش کرنا شرعاً جائز ہے۔

۲:- جو انسان جائز کوشش کے ذریعے ان اشیاء کو حاصل کرلے تو ان اشیاء پر شریعت محنت کش انسان کا حق تسلیم کرتی ہے۔

لہٰذا جنگلات کی لکڑیوں اور نباتاتی جڑی بوٹیوں اور جملہ قیمتی پتھروں سے متعلق شریعتِ اسلامیہ کے درج بالا احکام کی وضاحت کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے کہ:

الف:- قدرتی جنگلات، خودرو جڑی بوٹیوں اور ہر نوع کے قیمتی پتھروں سے جو لوگ اپنی ضروریات، ذریعۂ روزگار اور کسبِ معاش کے لیے استفادہ کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً جائز ہے۔(۲)

ب:- اگر اس جائز حق میں حکومتِ وقت یا اس کا کوئی ادارہ رخنہ اندازی کرے تو یہ رعایا کی حق تلفی اور ظلم و زیادتی کے زمرے میں آتا ہے۔

ج:- اس لیے حکومتِ وقت کا شرعی و آئینی فرض بنتا ہے کہ وہ اشیاء بالا سے متعلق اپنے قوانین وضوابط میں ضروری ترمیم اور سہولت کی راہ اپنائے، تاکہ لوگ ان اشیاء کے حصول کے لیے جائز قانونی طریقوں تک محدود رہیں۔

د:- اگر ایسے ضرورت مند لوگ حکومت کے غیر شرعی ظالمانہ جبر سے بچنے کے لیے خفیہ طریقے سے اشیاء بالا کے حصول کی کوشش کریں گے تو شریعت انہیں اپنا اور حکومتِ وقت کا مجرم نہیں ٹھہرائے گی۔

ہ:- جب شریعت اشیاء مذکورہ بالا پر متعلقہ لوگوں کا جائز حق تسلیم کرتی ہے تو ان اشیاء کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

و:- جائز ذرائع آمدن اختیار کرنے پر حکومت کی طرف سے رکاوٹ ڈالنا ظلم و ناانصافی

ہونے کے علاوہ حکومتی قوانین کی رو سے ناجائز ذرائع اور غلط راستے اپنانے کا باعث بھی بنتا ہے۔ اس لیے حکومت کا یہ اقدام جائز نہیں کہ وہ ظالمانہ قوانین کے ذریعے لوگوں کو قانونی مجرم بننے کا موقع دے کر سزا کا مستوجب بنائے۔

ز:- مذکورہ اشیاء اگر کسی کا ذریعہ روزگار بن جائیں اور وہ صاحبِ نصاب بن کر اس آمدن کے مالی حقوق شریعت کے مطابق ادا کرتا ہو تو حکومتِ وقت کے لیے اس آمدن پر کسی قسم کا ٹیکس عائد کرنا جائز نہیں ہے، بالخصوص مذکورہ اشیاء پر حکومت کا ٹیکس عائد کرنا اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ حکومت کے ٹیکس کا جواز تو کسی چیز کے حصول تک سہولت فراہمی اور خدمات کے صلے میں درست ہوا کرتا ہے، جبکہ اشیاء مذکورہ بالا کے حصول اور دریافت اور اس کی پیدائش وافزائش کے ساتھ حکومت کی کسی قسم کی سہولیات اور خدمات شامل نہیں ہوتیں، اس لیے اشیاء بالا پر حکومت کا ٹیکس لاگو کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ (۳)

البتہ قدرتی جنگلات سے متعلق شریعت کے درج بالا احکام کی تطبیق و تفہیم کے موقع پر ایک ضروری واقعاتی امر کو ملحوظ رکھنا بھی مصلحتِ عامہ کے اصول کے مطابق ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ عام مشاہدہ سے ثابت ہے کہ قدرتی جنگلات کے تحفظ کے لیے سرکار کا محکمانہ بندوبست مقرر ہے۔ یہ بندوبست کسی حد تک انتظامی ضرورت بھی ہے۔ (۴) جنگلات سے استفادے کے لیے عوامی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے انتظامی قوانین کا ہونا اور ان کا پاس رکھنا دونوں امر مقتضائے شرع کے عین مطابق ہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ حکومت کے قوانین میں انتظامی ضرورت اور عوامی مصلحت سے تجاوز پایا جاتا ہے، وہ یوں کہ عوام کو اپنے حق کے حصول میں قانونی پیچیدگیوں سے گزرنا پڑتا ہے، جن کے نتیجے میں عوام اپنے مقاصد کے حصول کے لیے غیر قانونی راستہ اپناتے ہیں اور اس غیر قانونی راستے میں محکمہ کے خائن، رشوت خور اور بد دیانت قسم کے بعض لوگ ہمراہی بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس غیر قانونی راستے سے اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لیے بااثر طبقہ تو کامیاب ہو جاتا ہے، لیکن عام ضرورت مند لوگ اپنے جائز شرعی حق کے حصول سے محروم رہتے ہیں اور اس غیر قانونی راستے کے موجود ہونے کی وجہ سے حکومتِ وقت کی مصلحت پر مبنی پابندیاں بھی غارت ہو جاتی ہیں اور جنگلات کا وہ عمومی نقصان ہونے لگتا ہے جس سے روکنے کے لیے سرکاری پالیسیاں بنائی جاتی ہیں، نتیجۃً جنگل میں جنگل کا قانون ہی رہ جاتا ہے۔ ان مفاسد کی بنا پر حکومت کی جانب سے مصلحت پر مبنی انتظامی پالیسیوں کو بھی مصلحتِ عامہ اور مفادِ عامہ کے خلاف جانے کی وجہ سے ناجائز کہا جائے گا اور خفیہ طریقے سے عوام الناس کو اپنے ضروری حق تک رسائی کے لیے شرعاً منع نہیں کیا جا سکے گا۔

اس لیے قدرتی جنگلات کی حفاظت اور عوام کی ضرورت، دونوں کا لحاظ ہونا چاہیے۔ اس کی ایک مناسب صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت جنگلات کی لکڑیوں، خودرو جڑی بوٹیوں اور قیمتی معدنیات

وغیرہ کے حوالے سے اپنے انتظامی قوانین میں ایسی نرمیاں پیدا کرے کہ عام وخاص رعایا یکساں طور پر اپنے حق کے حصول اور جائز ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جائز قانونی راستے تک محدود رہے اور غیر قانونی طریقوں اور خفیہ راستوں کو اختیار کرتے ہوئے جنگلات کے ناقابلِ تلافی نقصان کی طرف نہ جائے۔ اگر حکومتِ وقت جائز انتظامی قوانین بناتی ہے جن کی بدولت ضرورت مند رعایا کو یکساں طور پر اپنے جائز حق تک رسائی میسر ہوسکے تو پھر رعایا پر شرعاً لازم ہوگا کہ وہ اس صورت میں حکومتِ وقت کے جائز انتظامی قوانین کی پابندی کرے اور ان قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ضرورت کی حد تک جنگلات کی لکڑیوں، نباتات اور معدنیات سے فائدہ اُٹھائے اور اس انتظامی خدمت کے صلے میں جو منصفانہ مالیہ حکومت مقرر کرے وہ بھی ادا کیا جائے۔ اس ترتیب کے مطابق عمل کرنے سے عوام کی ضرورت، حکومت کی جائز عملداری اور قدرتی اشیاء کی مناسب حفاظت بھی ہوجائے گی۔ (۵) ان شاء اللہ!

حوالہ جات

۱:...... هو الذی خلق لكم ما فی الأرض جميعا ثم استوى إلى السماء فسواهن سبع سمٰوات وهو بكل شیء عليم . (سورة البقرة:۲۹)

قوله تعالى :(هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعا) فيه عشر مسائل

الثانية– استدل من قال: إن أصل الأشياء التى ينتفع بها الإباحة بهذه الآية وما كان مثلها– كقوله:" وسخر لكم ما فى السمٰوات وما فى الأرض جميعا منه" (الجاثية :۱۳) الآية– حتى يقوم الدليل على الحظر. (سورة البقرة:۲۹، ج:۱، ص:۲۵۱، الكتاب:الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبى، المؤلف :أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد بن أبى بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى :۶۷۱هـ) ، الناشر: دار الكتب المصرية القاهرة)

وجمع بقوله :ما فى الأرض جميعا جميع المنافع، فمنها ما يتصل بالحيوان والنبات والمعادن والجبال ومنها ما يتصل بضروب الحرف والأمور التى استنبطها العقلاء وبين تعالى أن كل ذلك إنما خلقها كى ينتفع بها كما قال :وسخر لكم ما فى السماوات وما فى الأرض. (الجاثية :۱۳)(سورة البقرة:۲۹ ،ج:۲،ص:۳۷۹، الكتاب :مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، المؤلف :أبو عبد اللّٰه محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمى الرازى الملقب بفخر الدين الرازى خطيب الرى (المتوفى :۶۰۶هـ)، الناشر :دار إحياء التراث العربى بيروت)

المادة (۱۲۳۴) (الماء و الكلأ و النار مباحة، و الناس فه هذه الأشياء الثلاثة شركاء) و الفقرة الثانية من هذه المادة هى ماخوذة من الحديث الشريف "المسلمون شركاء فى ثلاثة: فى الماء و الكلا و النار" والاقتصار فى هذه المادة على هذه الأشياء الثلاثة هو للتبرك لأن الناس شركاء مع بعضهم فى غير هذه الأشياء و ذلك (رابعا) فى الأشجار النابتة من نفسها فى الجبال المباحة (خامسا) فى الصيد و (سادسا) فى أثمار الأشجار النابتة من نفسها فى الأراضى التى لا صاحب لها ،و الناس فى هذه الستة شركاء . (كتاب الشركات، الباب الرابع فى بيان شركة الإباحة، الفصل الأول فى بيان الأشياء المباحة و الغير المباحة، ج:۳ ،ص:۲۶۳، الكتاب :درر الحكام شرح مجلة الأحكام، المؤلف :على حيدر، الناشر : دار الكتب العلمية)

۲:......المادة (۱۲۴۸) أسباب الملک ثلاثة .....: الثالث إحراز شیء مباح لا مالک له و الاستيلاء عليه و هذا الاستيلاء و الأخذ إما أن يكون حقيقيا أو يكون بوضع اليد حقيقة على ذلک الشیء كأخذ الماء بإناء من النهر و كصيد الصيد و كقطع الخشب من الجبال و كجمع الكلأ المباح و تجريزه الخ. (كتاب الشركات، الباب الرابع فى بيان

شرکة الإباحة،الفصل الثانی فی بیان کیفیة استملاک الأشیاء المباحة، ج:۳،ص:۲۷۳-۲۷۴، الکتاب :درر الحکام شرح مجلة الأحکام، المولف :علی حیدر، الناشر :دار الکتب العلمیة)

المادة (۱۲۵۳) (لکل شخص أیا کان أن یحتطب الأشجار النابتة من نفسها فی الجبال المباحة و بمطلق الاحتطاب یعنی بجمعها یصیر مالکا و لا یشترط الربط). (ج:۳،ص:۲۷۷، أیضا)

۳:-وعن أبی أمامة عن النبي – صلی اللّٰه علیه وسلم – قال :إن الأمیر إذا ابتغی الریبة فی الناس أفسدهم. (أفسدهم) ؛ أی أفسد علیهم أمور معاشهم، ونظام معادهم ؛ لأن الإنسان قلما یخلو عن ذم، فلو أدبهم لکل قول وفعل بهم لشق الحال علیهم. وعن معاویةؓ قال :سمعت رسول اللّٰه – صلی اللّٰه علیه وسلم – یقول :إنک إذا اتبعت عورات الناس أفسدتهم ، (أفسدتهم) ؛ أی حکمت علیهم بالفساد، أو أفسدت أمر المعاش والمعاد، واللّٰه رء وف بالعباد، قال الطیبی رحمه اللّٰه : وإنما عم فی هذا الحدیث بالخطاب بقوله :إنک ؛ وخص فی الحدیث السابق بقوله :إن الأمیر ؛ لئلا یتوهم أن النهي مختص بالأمیر، بل لکل من یتأتی من اتباع العورات من الأمیر وغیره. (کتاب الإمارة والقضاء ،ج:٦، ص:۲۴۱۳-۲۴۱۴، الکتاب :مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، المؤلف :علی بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدین الملا الهروي القاري (المتوفی :۱۰۱۴ھ)، الناشر :دار الفکر، بیروت لبنان)

(ولا تعسروا) ؛ أی بالصعوبة علیهم ؛ بأن تأخذوا أکثر مما یجب علیهم، أو أحسن منه، أو بتتبع عوراتهم وتجسس حالاتهم (متفق علیه) ورواه أبو داود (ولا تنفروا) ؛ أی بالمبالغة فی الإنذار، أو بتکلیف الأمور الصعبة الموجبة للإنکار، ویؤیده ما فی النهایة ؛ أی لا تکلفونهم بما یحملهم علی النفور. (ج:٦،ص:۲۴۲۱، أیضاً)

۴:......المادة (۱۱۵۴) (یجوز لکل أحد الانتفاع بالمباح ، لکنه مشروط بعدم الإضرار بالعامة)(کتاب الشرکات، الباب الرابع فی بیان شرکة الإباحة، الفصل الثالث فی بیان أحکام الأشیاء المباحة للعامة، ج:۳،ص:۲۷۸، الکتاب :درر الحکام شرح مجلة الأحکام، المؤلف :علی حیدر، الناشر :دار الکتب العلمیة)

۵:...... أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال :ألا کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته، فالإمام الذی علی الناس راع وهو مسؤول عن رعیته، والرجل راع علی أهل بیته وهو مسؤول عن رعیته، والمرأة راعیة علی أهل بیت زوجها وولدہٖ وهی مسؤولة عنهم، وعبد الرجل راع علی مال سیده وهو مسؤول عنه، ألا فکلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته. قوله :عن رعیته، الرعیة کل من شمله حفظ الراعی ونظره، وأصل الرعایة حفظ الشيء وحسن التعهد فیه ،لکن تختلف، فرعایة الإمام هی ولایة أمور الرعیة وإقامة حقوقهم..... الخ. (کتاب الأحکام، باب الأمراء من قریش، ج:۲۴،ص:۲۲۱، الکتاب :عمدة القاری شرح صحیح البخاری، المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسی بن أحمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی :۸۵۵ھ)، الناشر :دار إحیاء التراث العربی بیروت)

هذا ما ظهر لنا و العلم عند اللّٰه العلیم الخبیر

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد شفیق عارف	رفیق احمد بالاکوٹی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

۱۴/ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۸ء

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

جس نے ہر ایک ماہ سے تین روزے رکھے، یہ صوم دہر ہے۔ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

برکاتِ تحفظِ ختم نبوت مع اقوالِ تحفظِ ختم نبوت

محمد رضوان قاسمی۔ صفحات: ۲۵۶۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔ ناشر: مکتبہ فیض القرآن، جامع مسجد عائشہ صدیقہ، سیکٹر بی، منظور کالونی، کراچی۔

عقیدۂ ختم نبوت اسلام کا وہ عقیدہ ہے جس پر پورے اسلام کی بنیاد کھڑی ہے۔ اگر یہ عقیدہ کسی مسلم فرد کا نہ رہے تو اس کے اسلام کی پوری عمارت منہدم ہوجاتی ہے، پھر اس کی نہ نماز' نماز ہے اور نہ روزہ' روزہ ہے، نہ زکوٰۃ قبول ہے، نہ حج قبول ہے اور نہ ہی کوئی عام سی نیکی قبول ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی ایک سو آیات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو دس سے زیادہ احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے مبرہن و مدلل ہے اور چودہ سو سال سے زائد عرصہ سے پوری اُمتِ مسلمہ اس عقیدہ کی حفاظت کرتی آئی ہے، اس عقیدہ کی حفاظت کرنے والوں نے کس طرح اس کی حفاظت کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی مدد کی، کیا انعامات ملے، انہیں کیا بشارت ہوئیں، علمائے امت نے اس عقیدہ کے تحفظ کرنے والوں کے بارہ میں کیا کہا؟ یہ سب کچھ اس کتاب میں آپ کو ملے گا۔ اسی طرح برصغیر میں یہ فتنۂ قادیانیت کس طرح وجود میں آیا؟ اس کے کیا مقاصد ہیں؟ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام، ان کے بانیین کا تعارف اور اس جماعت کا منہج اور نصب العین کیا ہے؟ یہ سب مختصر اور دل نشیں انداز میں اس کتاب میں درج کردیا گیا ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ: ''واقعات سے نظریہ بنتا ہے اور دلائل سے عقیدہ بنتا ہے۔'' اس لحاظ سے اس کتاب میں واقعات بھی ہیں تاکہ نظریہ بنے، اور دلائل بھی ہیں تاکہ عقیدہ مضبوط ہو۔ کتاب کو عمدہ انداز میں ترتیب دیا گیا ہے، جی چاہتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے ہی رہیں۔ یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ بہرحال میں مبارک باد دیتا ہوں اس کے مرتب، ناشر اور جملہ معاونین کو جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں اپنا حصہ ڈالا۔ کتاب اس لائق ہے کہ ہر گھر میں ہو اور

اس کے پڑھنے کو روزانہ کا معمول بنایا جائے۔

نفحۃ الابرار

افاداتِ ناصح الامت حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب کلیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحات: ۳۸۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: خانقاہ عارفی، بی ۲۰۷، بلاک: ۱۱، نزد شاداب مسجد، گلبرگ کراچی۔

حضرت مولانا حافظ ابرار الحق کلیانوی نور اللہ مرقدہٗ، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے، جنہوں نے اپنے مواعظِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ سے بہت سارے گم راہوں کو راہ یاب اور روحانی مریضوں کو شفایاب کیا۔ رشد و اصلاح اور فوز و فلاح کے طلبگار آپ کے چشمۂ فیض سے اپنے دامن بھر بھر کر لے گئے، بے نمازی نمازی بن گئے، حرام کی راہوں پر چلنے والے حلال کی طلب میں لگ گئے، بے پردہ خواتین پردہ نشین بن گئیں، گھر فحاشی اور عریانیت سے پاک ہو گئے اور یہ سب کچھ اللہ والوں کی تاثیر سے ہوتا ہے۔

میرے مربی وشیخ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: آدمی جب کامل انسانوں میں بیٹھتا ہے تو انسان بنتا ہے۔ آج ہم نے اہل اللہ کی مجالس کو چھوڑا ہوا ہے، نہ ہمیں انسانیت کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی انسانی اخلاق ہمارے اندر ہیں، اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں، جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ان آیات میں دیا ہے: ’’یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔‘‘ ....’’اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔‘‘ اور سچے لوگوں کی معیت میں جہاں یہ شامل ہے کہ ان کی مجلس اختیار کریں، وہاں یہ بھی ہے کہ ان کے مواعظ اور ان کے ملفوظات کو پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے آپ کے متوسلین کو جنہوں نے آپ کے مواعظ کو بڑے سلیقہ اور عمدہ انداز میں جمع کیا ہے۔

یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ کاغذ عمدہ اور دو کلر میں ہے۔ کتابت، طباعت اور جلدی بندی اعلیٰ معیار پر ہے، کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی کارنامے

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی دامت برکاتہم۔ صفحات: ۲۱۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ الکوثر، بلاک بی، سیکٹر: ۱۱، مکان ۱۲۱، جامعۃ الرشید، احسن آباد کراچی۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے مؤلف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصصِ علومِ حدیث کے رئیس ہیں، آپ کو علوم احادیث میں سند کا درجہ حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے جامع ترمذی کے بارہ میں بتایا کہ اس میں کم وبیش ۷۷ حضرات کے اقوال وآراء اور

مذاہب نقل کیے گئے ہیں، جس میں ۲۶ فقہاء صحابہ کرامؓ، اس میں ۲۶ فقہاء تابعینؒ، ۱۸ فقہاء تبع تابعینؒ اورے تبع تبع تابعین ہیں، پھر ہر ایک کا نام، تاریخ وفات اور ان کے فتاویٰ کی تعداد لکھی ہے، صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کی تعداد ۱۶۲، تابعین کے فتاویٰ کی تعداد ۹۴، تبع تابعین کے فتاویٰ کی تعداد ۸۰۷، تبع تبع تابعین کے فتاویٰ کی تعداد ۶۹۹ ہے، گویا جامع ترمذی میں کل فتاویٰ کی تعداد ۱۷۶۲ ہے۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کی کتاب پر گہری نظر ہو۔ اور پھر آپ لکھتے ہیں: یہ مذاہب امام ترمذیؒ نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ ان میں سے جس مذہب پر کوئی عمل کرے گا، وہ نجات پائے گا، اگر چہ جس امام اور مجتہد کا اس نے مذہب اختیار کیا ہے، وہ خطا پر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حدیث شریف ہی میں آتا ہے کہ جب کوئی حاکم و مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے، اگر وہ درست ہو تو اُسے دو اجر ملیں گے اور اگر اجتہاد میں خطا ہوگئی پھر بھی اُسے ایک اجر ملے گا۔ اگر اسے خطا پر اجر نہ ملتا تو پھر اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا اور شریعت دائمی نہ رہتی۔

اس کتاب کے بارہ میں حضرت خود ''پیشِ لفظ'' میں لکھتے ہیں:

''مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کا نصاب و نظام تعلیم کیا تھا؟ اندازِ تربیت کیسا تھا؟ تعلیم و کتابت کی کیا شکلیں تھیں؟ ان موضوعات کو (جو عام سیرت نگاروں کی نظروں سے اوجھل رہے) کتاب میں اُجاگر کیا گیا ہے۔ نیز وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس نصابِ تعلیم سے فیض یاب ہوئے اور مکی دور میں ان کی تربیت ہوئی، ان کے تراجم بھی شاملِ کتاب کیے گئے ہیں۔''

بہر حال کتاب اتنا عمدہ اور سہل انداز میں لکھی گئی ہے کہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مختصر لفظوں میں بڑے طویل طویل موضوعات سمو دیئے گئے ہیں، گویا یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ میرے خیال میں درسِ نظامی خصوصاً دورہ حدیث کے تمام طلبہ، احادیث سے شغف رکھنے والے علمائے کرام اور مطالعہ کا ذوق رکھنے والے تمام احباب کو یہ کتاب ایک بار ضرور پڑھ لینی چاہیے۔

راہنمائے تعلیم

مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب۔ صفحات: ۲۰۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: مکتبۃ العصر، جامعہ عثمانیہ، نوتھیہ روڈ، پشاور صدر۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور جامعہ عثمانیہ پشاور کے استاذ و مفتی ہیں، اس سے پہلے بھی آپ کی کئی کتب طبع ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ آپ کو ایک نئے انداز سے کتاب مرتب کرنے کا اللہ تعالیٰ نے سلیقہ ودیعت فرمایا ہے، آپ ایک آیت یا حدیث نقل کرتے ہیں، پھر اس کا ترجمہ اور اس کے بعد آیت یا حدیث کے ایک ایک لفظ سے کئی کئی مسائل کا استنباط اور تخریج کرتے ہیں، مثلاً آپ نے عنوان قائم کیا: ''وسیع العلم استاذ'' اس کے تحت آیت نقل کی ''وَ أَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔'' (بقرہ: ۳۰) حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد

فرمایا کہ: ’’میں جانتا ہوں اس بات کو جسے تم نہیں جانتے۔‘‘ اس آیت سے معلوم ہوا کہ استاذ شاگرد کو کہہ سکتا ہے کہ مجھے ایسی بات کا علم ہے، جس کا تم کو علم نہیں اور تم نہیں جانتے، اس لیے کہ استاذ کا علم شاگرد کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ استاذ کا علم شاگرد سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ استاذ اُن باتوں کی خبر دیتا ہے جن سے شاگرد بے خبر ہوتا ہے، الخ۔

پوری کتاب میں خوبصورت عنوانات جو علم کے متعلق ہیں اور ان کے تحت آیت یا حدیث اور پھر ان سے مسائل کا استخراج، آدمی ایک مرتبہ کتاب شروع کردے تو کتاب رکھنے کا جی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے علم وعمل میں اور عمر میں برکت فرمائے اور اس طرح اور کتابیں بھی لکھنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ اہل قلم حضرات کے لیے یہ ایک نیا اور خوبصورت انداز ہے، اس طرح کی اگر کتابیں تصنیف وتالیف ہونا شروع ہوجائیں تو عوام الناس کو قرآن وحدیث کے قریب لانا بہت حد تک آسان ہوجائے گا۔ گویا تعلیمی اُمور کی شرعی رہنمائی کے لیے قرآن سے براہِ راست اخذ کردہ آداب، احکام اور قواعد کا بہترین اور بیش بہا مجموعہ ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....